ماہنامہ

میثاق

لاہور

مارچ ۱۹۹۶ء

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

- عہدِ حاضر میں نظامِ خلافت کا دستوری، قانونی اور سیاسی ڈھانچہ اور اس کے نفاذ کا طریق کار ____ (امیر تنظیم اسلامی کے خطاب کی دوسری قسط)
- منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ ____ اعتراضات اور جوابات (انجینئر نوید احمد)

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

☆ تنظیم اسلامی کیوں قائم ہوئی اور اس کے قیام کی اولین کوشش کب ہوئی؟
☆ اس کی "قرارداد تاسیس" قافلہ جماعت اسلامی سے جدا ہونے والے کن "اکابرین" کے اتفاق رائے سے منظور ہوئی تھی؟
☆ اولین کوشش میں ناکامی کے بعد دوبارہ اس کے قیام کا عزم کس نے کیا اور اس کا باقاعدہ قیام کب عمل میں آیا؟
☆ تنظیم اسلامی کے اساسی نظریات کیا ہیں اور اس کے پیش نظر اہداف و مقاصد کون کون سے ہیں؟
☆ امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ کے پس منظر میں تنظیم اسلامی کا محل و مقام کیا ہے؟
☆ تنظیم اسلامی کے بانی کا فکری و تحریکی پس منظر کیا ہے؟

ان تمام سوالات کے تفصیلی جواب کیلئے

تنظیم اسلامی کے درج ذیل تین اساسی کتابچوں کا مطالعہ ناگزیر ہے

------(۱)------

سلسلہ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر ۱

عزم تنظیم

(سابقہ "سرافگندیم")

عمدہ طباعت، صفحات ۲۷، قیمت ۷/-

------(۲)------

سلسلہ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر 2

تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر

صفحات ۴۸، عمدہ طباعت، قیمت ۶/-

------(۳)------

سلسلہ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر 3

تعارفِ تنظیمِ اسلامی

صفحات ۸۸، قیمت ۷/-، عمدہ طباعت

-------- ملنے کے پتے --------

● مرکزی دفتر تنظیم اسلامی، ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو- لاہور

● دفتر تنظیم اسلامی لاہور شہر، ۴-اے، مزنگ روڈ، نزد فیملی ہسپتال

● قرآن اکیڈمی، ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اُوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد: ۴۵
شمارہ: ۳
شوال المکرم ۱۴۱۶ھ
مارچ ۱۹۹۶ء
فی شمارہ ۱۰/-
سالانہ زرتعاون ۱۰۰/-

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 امریکی ڈالر
- سعودی عرب، کویت، بحرین، عرب امارات، قطر، بھارت، بنگلہ دیش، یورپ، جاپان — 17 امریکی ڈالر
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔ فون: 03-02-5869501
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون: 6305110
پبلشر: ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال ـــــ ۳

حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ ـــــ ۵

عہد حاضر میں نظام خلافت کا دستوری، قانونی اور سیاسی ڈھانچہ
اور اس کے نفاذ کا طریق کار (۲)

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ افہام و تفہیم ـــــ ۲۴

منہج انقلاب نبوی ﷺ ---اعتراضات اور جوابات

انجینئر نوید احمد

☆ کتابیات ـــــ ۵۹

نفاق کی نشانیاں (۳)

مترجم: ابو عبد الرحمٰن شبیر بن نور

☆ گوشہ خواتین ـــــ ۷۱

پاکستانی حوا زادیوں کے نام

نکہت حامد

گھریلو عورت اور معاشرہ ۷۳

مظہر علی ادیب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض احوال

۲۷فروری کے قومی اخبارات میں یہ خبر شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی کہ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کی زیر صدارت ہونے والے اجلاس میں وفاقی کابینہ نے آئندہ انتخابات کے "منصفانہ انعقاد" کو یقینی بنانے کے لئے انتخابی اصلاحات کمیٹی کی سفارشات کی منظوری دے دی ہے۔ منظور شدہ سفارشات میں شامل بعض نکات تو یقیناً ایسے ہیں کہ جن کی تائید کی جانی چاہئے۔ مثلاً قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کے انتخابات کا ایک ہی دن میں انعقاد کا فیصلہ' تاہم بعض نکات معقولیت سے بالکل تہی نظر آتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس ضمن میں سب سے زیادہ محل نظر اور ناقابل فہم نکتہ یہ ہے کہ آئندہ انتخابات میں اقلیتوں کو ووٹ کا دوہرا حق حاصل ہو گا اور وہ اپنی مخصوص نشستوں کے علاوہ عام نشستوں پر بھی ووٹ ڈالنے کے مجاز ہوں گے۔ گویا یہ بات تو طے کر ہی لی گئی ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئندہ انتخابات مخلوط انتخابات ہوں گے' اس پر مستزاد اقلیتوں کو اپنی مخصوص نشستوں کے لئے ووٹ ڈالنے کا حق بھی حاصل ہو گا۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے!

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ مخلوط انتخابات کا معاملہ کسی طور دو قومی نظریئے کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہے کہ جو قیام پاکستان کی اصل بنیاد تھا۔ یوں تو "دو قومی نظریئے" کی دھجیاں بکھیرنے اور اس طرح پاکستان کی بنیادوں پر تیشہ چلانے میں ہم نے پہلے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی اور قیام پاکستان سے قبل وطنی قومیت اور سیکولرزم کے جن نظریات کی شدت کے ساتھ تردید ہمارا اوڑھنا بچھونا تھی' قیام پاکستان کے بعد انہی باطل نظریات کو یکے بعد دیگرے ہم نے گلے سے لگانا شروع کر دیا۔ لیکن یہ ایک گوشہ بھی جو ابھی تک کسی قدر بچا ہوا تھا' بالآخر ہماری دست برد سے محفوظ نہیں رہ سکا۔

اک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا
اس کو بھی تو نے آخر چرکا لگا کے چھوڑا

بلاشبہ یہ فیصلہ نظریہ پاکستان کی جڑوں پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتا ہے اور اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ قومی سطح پر اب سیکولرزم ہی ہماری ترجیح اول ہے۔ اس موقع پر تنظیم اسلامی کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات جنرل (ریٹائرڈ) محمد حسین انصاری صاحب کی جانب سے یہ بیان جو اخبارات کو برائے اشاعت ارسال کیا گیا تھا اسی حقیقت کی عمدگی کے ساتھ ترجمانی کرتا ہے :

> "انتخابی اصلاحات کے نام پر اقلیتوں کو دوہرے ووٹ کا حق ناقابل فہم ہے۔ قوم متفقہ طور پر جداگانہ طرز انتخاب کا فیصلہ کر چکی ہے جس کی رو سے قومی اور صوبائی اسمبلیوں اور سینٹ میں بھی اقلیتی ارکان کے لئے جداگانہ نشستیں مخصوص ہیں۔ انہوں نے کہا اقلیتوں کو ووٹ کا براہ راست حق دینا بنیادی اور اہم تبدیلی ہو گی جسے قومی اسمبلی اور سینٹ سے منظوری لئے بغیر نافذ کرنا مسلمہ جمہوری اصولوں کے بھی خلاف ہے۔

جنزل انصاری نے کہا کہ ملک کا نظریاتی تشخص اسلامی تصورات پر مبنی ہے جسے سیکولر عناصر ختم کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستان جیسے نظریاتی اور جداگانہ تصور قومیت کی حامل ریاست کا مکمل شہری صرف مسلمان ہی ہو سکتا ہے۔ اقلیتوں کو نہ تو قانون ساز اسمبلی کا رکن بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی انہیں ووٹ کا حق دیا جا سکتا ہے۔ جنزل انصاری نے کہا کہ اقلیتوں کو ووٹ کا دوہرا حق درحقیقت دو قومی نظریئے کی نفی کے مترادف ہے"۔

وفاقی کابینہ کے اس ناروا فیصلے کے خلاف ۲ مارچ کو تنظیم اسلامی حلقہ لاہور نے پنجاب اسمبلی کے سامنے ایک احتجاجی مظاہرے کا پروگرام ترتیب دیا جس میں اس انتخابی پیکج کو مسترد کر کے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ ان نام نہاد انتخابی اصلاحات کو منسوخ کرنے کا اعلان کرے۔ اس مظاہرے کی رپورٹنگ لاہور کے اخبارات میں نمایاں انداز میں ہوئی۔ اس موقع پر جو ہینڈبل وسیع پیمانے پر پبلک میں تقسیم کیا گیا اس میں تنظیم اسلامی کے موقف کی ترجمانی قدرے مفصل لیکن جامع انداز میں کی گئی ہے۔ قارئین میثاق کے لئے اس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ اس ہینڈبل پر جلی انداز میں یہ سرخی لگائی گئی تھی: "مخلوط انتخابات۔ نظریہ پاکستان کی نفی" اور نیچے درج ذیل عبادرت درج تھی:

"بیسویں صدی کے آغاز ہی میں مسلم لیگ کا قیام حاکم انگریز اور متعصب ہندو کو یہ واضح پیغام تھا کہ برصغیر ہند میں مسلمان قوم جداگانہ تشخص کی حامل ہے اور ہندو سے صدیوں کا جغرافیائی قرب اس کی طرز معاشرت میں کوئی شگاف نہیں ڈال سکا۔ برصغیر کا مسلمان جاننے لگا تھا کہ سماجی اور مذہبی سطح پر اسے ملیچھ جاننے والا ہندو سیاسی سطح پر اشتراک صرف اس لئے چاہتا ہے تاکہ انگریز کی خالی کردہ کرسی پر براجمان ہو جائے اور مسلمان جو پہلے ہی معاشی اور سیاسی سطح پر بہت کمزور ہیں انہیں اپنی اکثریت کی بنیاد پر غلام بنا لے۔ بابائے قوم قائداعظم محمد جناح ہندو کی اس بدنیتی کو بھانپ چکے تھے لہٰذا انہوں نے اپنی اصول پسندی' جانفشانی اور برصغیر کے مسلمانوں کی اکثریت کی حمایت سے انگریزوں اور ہندوؤں کی شدید مخالفت کے باوجود بحیثیت قوم برصغیر میں مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کو منوایا۔ اور اسی بنیاد پر پاکستان کا مطالبہ دنیا کے سامنے رکھا کہ مسلمان کیونکہ ایک الگ قوم ہے لہٰذا اسے یہ حق حاصل ہے کہ برصغیر کے مسلم اکثریت والے علاقوں پر مشتمل ایک الگ ملک قائم کیا جائے جس کی تعریف قائداعظم نے کچھ یوں کی: "ہم پاکستان اس لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ دنیا کو اسلامی اخوت و حریت اور مساوات کا نمونہ دکھا سکیں"۔

۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلمانان ہند نے مسلم لیگ کے اس فیصلے پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہے اور مسلم لیگ اس کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ اس پس منظر میں پاکستان میں مخلوط انتخابات کا رائج کرنا کیا یہ تسلیم کرنا نہیں کہ

(باقی صفحہ ۷۹ پر)

عہدِ حاضر میں نظامِ خلافت

کا دستوری' قانونی اور سیاسی ڈھانچہ
اور اس کے نفاذ کا طریق کار

(گزشتہ سے پیوستہ)

ڈاکٹر اسرار احمد

اپنی اب تک کی گفتگو میں میں نے وہ تین چیزیں بیان کی ہیں جو کسی بھی نظام کو نظامِ خلافت میں تبدیل کر سکتی ہیں۔ یعنی (۱) اللہ کی حاکمیت' (۲) کتاب و سنت کی مکمل اور غیر مشروط بالادستی' اور (۳) مکمل شہریت کا حق صرف مسلمان کے لئے۔ میں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اسلامی ریاست میں دستور سازی کیسے ہو گی۔ اسی طریقے سے مشاورتِ باہمی کا نظام کیا ہو گا؟ الیکشن کا نظام کیا ہو گا؟ پھر یہ کہ Impeachment کا نظام کیا ہو گا!

نظامِ حکومت۔ پارلیمانی یا صدارتی؟

دستوری ڈھانچے کے ضمن میں اب میں ایک بات "last but not the least" کے درجے میں عرض کر رہا ہوں اور اس کا تعلق پاکستان کے حالات خصوصاً کراچی کے مسئلے سے اور میری الطاف حسین صاحب سے ملاقات سے بھی جُڑتا ہے۔ میرے نزدیک ان اصولوں کو جو میں نے بیان کئے ہیں' روحِ عصر کے ساتھ جوڑنا اور اس کے ساتھ ان کا رشتہ قائم کرنا ضروری ہے۔ روحِ عصر کے اعتبار سے یہ بات جان لیجئے کہ جیسے سائنس اور ٹیکنالوجی کی دنیا میں امریکہ سب سے آگے ہے' صرف خلائی تسخیر کے معاملے میں روس ذرا آگے نکل گیا تھا تو کھلبلی مچ گئی تھی' لیکن باقی تو ہر اعتبار سے امریکہ سرِفہرست ہے' اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ دستوری ڈھانچے کے اعتبار سے

بھی امریکہ ٹاپ پر ہے۔ دستوری ارتقاء اپنے نقطۂ عروج پر امریکی دستور میں نظر آتا ہے۔ اور اس کا صدارتی نظام' نظامِ خلافت سے قریب ترین ہے۔ اس میں تینوں چیزیں بالکل علیحدہ ہیں۔ مقننہ (Legislature) علیحدہ' انتظامیہ (Executive) علیحدہ اور عدلیہ (Judiciary) علیحدہ ہے۔ مقننہ اور انتظامیہ کا باہم کوئی رشتہ نہیں ہے۔

میرے نزدیک پارلیمانی نظام نہایت احمقانہ' نہایت غلط' مفسدانہ اور نہایت مشرکانہ نظام ہے۔ ایک شرک تو وہ ہے کہ خدا کی حاکمیت کی بجائے انسانی حاکمیت کا تصور' لیکن اس نظام میں ایک مزید شرک یہ ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ تقسیم ہو گیا کہ یہ سربراہ مملکت ہیں اور یہ سربراہ حکومت ہیں! اب ان کے مابین اختیارات کی تقسیم کیسے ہو؟ صدر مملکت کی حیثیت یا تو فضل الٰہی چوہدری کی سی ہو جائے گی کہ انہیں "رہا کرنے" کے مطالبے پر مشتمل نعرے (slogans) لکھیں جائیں گے اور یا وہ صدر غلام اسحاق خان یا صدر ضیاء الحق صاحب بن جائیں گے کہ جو شخص بھی منتخب ہو اس کو جب چاہیں معزول کر دیں اور منتخب اسمبلی کو جب چاہیں توڑ کر رکھ دیں۔ آخر وہ کچھ تو کرے گا ع "بے کار مباش کچھ کیا کر!" صرف ولیمے کھائے گا' دعوتوں میں جائے گا' یا کچھ اور بھی کرے گا؟ آخر وہ صدر رہے' فوج ساری اس کے پاس ہے' وہ مملکت کا سربراہ ہے۔ کچھ تو کرے گا نا! خالی بنیا کیا کرے' اِس کوٹھڑی کا مال اُس کوٹھڑی میں کرے۔ اور اس کوٹھڑی کے بدلنے کے اندر حکومتوں کو تلپٹ کر دیا جاتا ہے۔ پھر پارلیمانی نظام کے اندر جو مقننہ (Legislature) ہے وہی انتظامیہ (Executive) ہے۔ پارلیمنٹ کے چار گھوڑے بِک گئے تو حکومت ختم۔ لہٰذا ہر وقت عدم استحکام کی صورت رہتی ہے۔ خاص طور پر ہمارے ممالک میں تو مستحکم ادارے ہی نہیں ہیں۔ انگریز قوم کی بات اور ہے' ان کے ہاں بے انتہا روایت پرستی ہے جس نے انہیں پارلیمانی نظام سے چمٹائے رکھا ہے۔ ہمارے ہاں کیا ہوتا ہے؟ چار گھوڑے اِدھر سے اُدھر چلے گئے یا چار مینڈک اُدھر سے اِدھر پھدک کر آ گئے تو حکومت ختم۔ لہٰذا سارا زور انہیں جمع کئے رکھنے پر ہوتا ہے۔ بس اپنے اپنے مینڈکوں کی پنسیری سنبھالنے کی فکر کرتے رہو اور بلیک میل ہوتے رہو' ان کو خوش کرتے رہو۔ میرے نزدیک اس سے زیادہ

احمقانہ نظام کوئی نہیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ اب صدارتی نظام کے حق میں بہت سی آوازیں اٹھی ہیں۔ جب پہلے پہل میں نے صدارتی نظام کی بات کی تو مجھے بڑی گالیاں پڑی تھیں۔ ایس ایم ظفر صاحب نے بھی ایک مذاکرے میں کہا تھا کہ آپ کیا بات کر رہے ہیں' نہیں نہیں' بالکل نہیں' صدارتی نظام قابل قبول نہیں ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ہاں صدارتی نظام ہی بہتر ہے۔ آدمی ایک بات اپنے ذہن میں اپنی فکر اور اپنی سوچ سے' دیانت کے ساتھ طے کر لے اور پھر اس پر جم جائے تو وہ بات دوسرے لوگوں کی زبان پر بھی آتی ہے۔ چنانچہ اب بہت سے لوگوں نے یہی بات کہی ہے' تارڑ صاحب نے بھی یہی کہا ہے' اور سب سے بڑھ کر تو پسرِ اقبال فرما بیٹھے ہیں کہ صدارتی نظام اسلامی نظامِ خلافت کے قریب تر ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔ آپ نے ایک شخص کو صدر منتخب کیا جو پورے ملک کا نمائندہ ہے تو اب اسے کام کرنے کے لئے چار پانچ سال دیجئے' خواہ کانگرس میں اس کی اکثریت ہے یا نہیں ہے۔ وہ سربراہ حکومت کی حیثیت سے کام کرے گا۔ کانگریس کا کام قانون سازی ہے۔ البتہ احتساب اور "Checks and balances" کا نظام ہونا چاہئے۔ اسی طرح اس کے خلاف ہونے والی الزام تراشی (impeachment) کا جائزہ بھی ضروری ہے۔ لیکن صدارتی نظام میں بنیادی تصور یہ ہے کہ صدر کی حکومت کے برقرار رہنے کا دارومدار پارلیمنٹ یا کانگریس کی اقلیت یا اکثریت پر نہیں ہے۔ پھر یہ کہ وہ جس کو چاہے اپنی کابینہ میں وزیر بنائے۔ جسے وہ سمجھے کہ یہ مالیات کا ماہر ہے تو قطع نظر اس سے کہ وہ کانگرس یا سینٹ کا رکن ہے یا نہیں ہے' ارب پتی ہے یا نہیں ہے' الیکشن لڑ سکتا ہے یا نہیں لڑ سکتا' وہ اسے اپنی کابینہ میں شامل کر کے اس کی مہارت سے فائدہ اٹھائے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص خارجہ امور میں مہارت رکھتا ہو تو وہ اسے بھی کابینہ میں لے آئے۔ گویا ایک صدر کو منتخب کر کے "ہاتھی کے پاؤں میں سب کے پاؤں" کے مصداق ساری چیزیں اس کے حوالے کر دیجئے۔ ہاں غلط کرے تو اس کے سر پر impeachment کا ڈنڈا لٹک رہا ہو اور وہ ڈنڈا ایسا ہے کہ اس کی ذرا سی جھلک دیکھی تھی کہ نکسن صاحب وائٹ ہاؤس سے نکل کر بھاگ اٹھے تھے۔ اور وہ ڈنڈا ایسا ہی ہونا چاہئے۔ یہ نظام

ایسے نہیں بن گیا' لوگوں نے اس کے لئے بڑی محنتیں کی ہیں' ان کی ذہنی صلاحیتیں صَرف ہوئی ہیں' انہوں نے اس کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں' انہوں نے اپنے ہم وطنوں سے جنگ لڑی ہے۔ یہ سارے کام کئے ہیں' جن کا کریڈٹ ان کو جاتا ہے۔ "Give the devil his due" کے مصداق انہوں نے جو کچھ کیا ہے' اسے تسلیم کیجئے۔ اگرچہ پارلیمانی نظام میں بھی' جیساکہ میں نے عرض کیا' مذکورہ بالا تین باتیں آ جائیں تو خلافت کا تقاضا پورا ہو جائے گا' لیکن صدارتی نظام عقلاً' نقلاً' مصلحتاً اور منطقی اعتبار سے یقیناً بہتر ہے اور خلافتِ راشدہ سے قریب تر ہے۔

وفاقی طرزِ حکومت کی ضرورت

اس روحِ عصر کا جو دوسرا پہلو ہے وہ البتہ خلافتِ راشدہ کے نظام کے برعکس ہے۔ یہ سب سے کٹھن بات ہے جو میں اب کہہ رہا ہوں۔ خلافت راشدہ کا نظام وحدانی (unitary) تھا۔ امیرالمومنین ہی مختلف صوبوں کے گورنر مقرر کرتے تھے۔ لیکن میرے نزدیک ایک صحیح وفاقی (federal) طرز حکومت روحِ عصر کا نہایت اہم اور بنیادی تقاضا ہے۔ وہ جو آدم کو خودشناسی اور خودنگری محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے دی تھی' لیکن جس کے اندر ؏ "ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں" کے مصداق ابلیسی قوتوں نے بہت کچھ شامل کر کے اسے زہرِ قاتل بنا دیا' اس کا ایک تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنا ماضی پسند ہے' اسے اپنے اَسلاف سے محبت ہے' اسے اپنی قومی روایات سے قلبی تعلق ہے' اس کا اپنی زبان سے گہرا قلبی رشتہ ہے۔ یہ ساری چیزیں فطری ہیں۔ اسلام نے ان فطری چیزوں کو کہیں بھی رد نہیں کیا۔ سورۂ حجرات میں فرمایا گیا: ﴿وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا﴾ یعنی "ہم نے خود تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو"۔ تو یہ لسانی اور قومیتوں کی تقسیم تو پہچان اور تعارف کا ایک ذریعہ ہے۔ اس دنیا میں کہیں یک رنگی اور یکسانی نہیں ہے ؏ گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونقِ چمن! ہر ایک کو اپنی ثقافت عزیز ہے۔ ہاں اس ثقافت میں کوئی شے خلافِ اسلام ہے تو اسے چھانٹ دیجئے۔ وہ تو دستور میں طے ہو جائے گا کہ کتاب و سنت کے منافی

کوئی شے ہو ہی نہیں سکتی۔ البتہ مباحات کے دائرے میں تمام تقاضوں کو تسلیم کیجئے، تمام زبانوں کو تسلیم کیجئے، تمام نسلی اور لسانی اکائیوں کو تسلیم کیجئے اور انہیں ان کا جائز مقام دیجئے۔ انہیں زیادہ سے زیادہ خود اختیاری دیجئے۔ انہیں معلوم ہو کہ ہمارا معاملہ ہمارے ہاتھ میں ہے، پنجاب ہم پر حکومت نہیں کر رہا ہے۔ پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہونے کے باعث پنجاب گالی بن گیا ہے۔ پہلے مشرقی پاکستان میں پنجاب کے خلاف نفرت کا اظہار کیا جاتا تھا۔ مولوی فرید احمد کا ڈھاکہ ایئرپورٹ پر ان نعروں سے استقبال ہوا تھا کہ "پنجابار دلال پھری جاؤ" یعنی "پنجابیوں کے دلال واپس جاؤ!" کراچی میں بھی پنجابیوں کے خلاف شدید ردعمل تھا اور اس بنیاد پر فسادات بھی ہوئے۔ بہرحال ہر علاقے کے لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے اور اس کا احساس ہونا چاہئے کہ ہمارے یہاں کے معاملات ہمارے اپنے ہاتھ میں ہیں اور ہماری اپنی رائے سے طے ہوتے ہیں۔ اور اس میں قطعاً کوئی شے کتاب و سُنّت کے منافی نہیں۔ یہ بھی انتہاپسندی ہے کہ ان چیزوں کی نفی کر دی جائے۔

سرکاری زبان۔ عربی!

البتہ جیسا کہ میں نے ہمیشہ کہا ہے، عربی زبان کو پاکستان کی سرکاری زبان بنا دیا جاتا تو نہ سندھی کو اعتراض تھا نہ بنگالی کو۔ اسے سندھی بھی پسند کر رہا تھا اور بنگالی بھی۔ لیکن دراصل ہماری قیادت کی مَت ماری گئی تھی۔ ہماری سیاسی قیادت اور ہماری دینی قیادت کی واقعتاً مت ماری گئی تھی۔ انہیں ہوش ہی نہیں تھا، یہ شعور ہی نہیں تھا کہ یہ زبان کا مسئلہ کتنا پیچیدہ مسئلہ ہے، یہ کتنا حساس مسئلہ ہے۔ اس وقت ہم نے اردو، اردو، اردو کی رٹ لگائے رکھی۔ آپ کو معلوم ہے مجھے صرف ایک ہی زبان آتی ہے اور وہ اردو ہے، لیکن میں اسے پورے ملک کی سرکاری زبان قرار دینے کے حق میں نہیں ہوں۔ میں تو کہتا ہوں کہ ہم نے مشرقی پاکستان کو اردو کا شہید بنایا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد سر آغا خان نے کہا تھا کہ عربی کو سرکاری زبان کا درجہ دے دیں، لیکن کوئی سننے کو تیار نہ تھا۔ سٹیٹ بینک آف پاکستان کے پہلے گورنر زاہد حسین صاحب، جو میرے عزیزوں میں سے تھے، انہوں نے بھی یہی بات کہی تھی، لیکن بابائے اردو نے جلسۂ عام میں ان کی وہ خبر لی تھی اور وہ بے عزتی کی تھی کہ رہے

نام اللہ کا! اور سب سے بڑھ کر تو مجھے مولانا مودودی کے موقف پر افسوس ہے۔ اس لئے کہ وہ یہ اندازہ ہی نہیں کر سکے کہ حالات کس رخ پر جا رہے ہیں۔ انہیں سیاسی حالات کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ محرک تھے' مفکر تھے' مصنف تھے' ڈیسک ورکر تھے' لیکن گاؤں گاؤں کبھی پھرے نہیں' قریہ قریہ کبھی گئے نہیں' لوگوں سے ملنے جلنے کے مواقع بہت کم ملے' لہٰذا وہ حالات کا صحیح اندازہ نہیں کر پائے۔ چنانچہ انہوں نے بھی یہی کہا کہ اردو ہونی چاہئے۔ بہرحال میرا موقف یہ ہے کہ پاکستان کی سرکاری زبان عربی ہونی چاہئے۔ باقی یہ کہ وفاق کے تحت تمام علاقوں کو اپنی اپنی زبانوں کی ترویج کا موقع ملنا چاہئے۔ اور بھارت نے یہ کر کے دکھایا ہے' اس کے سارے صوبوں کی اپنی اپنی زبان ہے۔ بھارت کے تیس صوبے ہیں' لیکن ان میں سے صرف پانچ صوبے ایسے ہیں جن کی زبان ہندی ہے۔ یہ راجپوتانہ' ہریانہ' یو۔پی' سی۔پی' اور بہار ہیں جسے "ہندی بیلٹ" کہا جاتا ہے۔ باقی بنگال میں بنگلہ زبان ہے' تامل ناڈو میں تامل زبان ہے' کیرالہ میں ملیالم زبان ہے' آندھرا پردیش میں کلیو زبان ہے' کرناٹکہ میں کروہی زبان ہے' اور وہ اپنے سارے صوبائی اور ریاستی معاملات اپنی اپنی زبان میں طے کرتے ہیں۔ البتہ مرکز کے ساتھ اور بین الصوبائی رابطے کی زبان انگریزی ہے۔

نئی صوبائی تقسیم

بہرحال میرے نزدیک ہمیں صحیح معنوں میں ایک وفاق کی ضرورت ہے اور اس کے لئے چھوٹے صوبے بنانا اصولی اعتبار سے بھی بہت ضروری ہے اور یہ روح عصر کا بھی بہت بڑا تقاضا ہے۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اِس وقت اس مسئلے کے ساتھ پاکستان کی سالمیت وابستہ ہو گئی ہے۔ کشمیر اور کراچی ہمارے دو 'کاف' ہیں۔ سکھوں کے پانچ 'ککے' ہوتے ہیں۔ کچھا کڑا' کرپان' کنگھا' کیس' ہمارے دو 'ک' ہیں' ایک اوپر کشمیر ہے اور دوسرا نیچے کراچی۔ اور جس طرح کسی بہت بڑے دیو کی جان کسی طوطے کی گردن میں ہوتی ہے اسی طرح اِس وقت پاکستان کی جان اور مستقبل ان دو گردنوں میں ہے۔ کشمیر کے بارے میں

مَیں اپنا پورا نقطہ نظر کل اپنے خطاب جمعہ میں بیان کر چکا ہوں جو آج کے اخبارات میں آگیا ہے اور کہیں مجھے محسوس نہیں ہوا کہ کوئی غلط بات میری طرف منسوب کی گئی ہے۔ لیکن کراچی کے مسئلے پر میں اب بات کر رہا ہوں۔

اس حوالے سے پہلی بات یہ نوٹ کیجئے کہ میرا یہ موقف آج کا نہیں ہے' ہمیشہ سے ہے۔ اور ستمبر ۱۹۹۱ء سے تو آن دی ریکارڈ ہے جب میں نے تحریک خلافت کا آغاز کیا اور اس سلسلے میں پہلی پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ تحریک خلافت کی طرف سے ہم نے "پاکستان میں نظامِ خلافت --- کیا' کیوں اور کیسے؟" کے عنوان سے ایک کتابچہ بہت عام کیا ہے' جو اردو کے علاوہ انگریزی میں بھی موجود ہے۔ یہ کتابچہ میری اِس پریس کانفرنس کے متن پر مشتمل ہے۔ اس میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں' یعنی (۱) ہمیں پارلیمانی نظام کو طلاق دے کر صدارتی نظام اختیار کرنا چاہئے اور (۲) ہمیں چھوٹے صوبے بنانے چاہئیں' جن کی تشکیل میں جغرافیائی اور انتظامی عوامل کے ساتھ ساتھ لسانی' ثقافتی اور نسلی عوامل کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔

الطاف حسین سے ملاقات

چھوٹے صوبوں کے بارے میں میرا یہ موقف بہت پرانا ہے اور کراچی میں اب جو الاؤ دہکا ہے اس سے اس کا بنیادی تعلق نہیں ہے۔ تاہم اس میں چونکہ اتفاقاً کراچی کے مسئلے کا حل بھی موجود ہے اس لئے ع "میں کوچۂ رقیب میں بھی سَر کے بل گیا" کے مصداق میں لندن میں درخواست کر کے' وقت لے کر' الطاف حسین صاحب کی ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ قبل ازیں کوئی دس بارہ سال پہلے بھی ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ اُس وقت تو وہ بندوق کی گولی کی طرح بولتے رہے تھے اور انہوں نے مجھے کچھ بولنے دیا ہی نہیں تھا' لہٰذا دوبارہ ان سے ملاقات کا کوئی خیال نہ آیا۔ اب کراچی کے حوالے سے پاکستان کی گھمبیر صورتحال کے پیش نظر میں نے سوچا کہ چلیں پھر دیکھتے ہیں' صورت حال کیا ہے۔ پہلے تو میں یہ اعتراف کر رہا ہوں کہ انہوں نے بہت دھیمے انداز میں بات کی اور میرا بہت اعزاز و اکرام فرمایا۔ ملاقات کے لئے انہوں نے جو وقت دیا تھا اس پر وہ پہنچ گئے تھے۔ معلوم ہوتا

ہے کہ وہ ان کا کوئی ریجنل آفس تھا جہاں پر ملاقات ہوئی۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ وہ سیکیورٹی کے پیش نظر کسی ایک مقام پر نہیں رہتے۔ ان کی طرف سے طے کر دیا گیا تھا کہ فلاں جگہ پر ملاقات ہوگی' جہاں میں بھی پہنچ گیا اور چند منٹ میں وہ بھی آ گئے۔ وہ سخت پریشان دکھائی دیتے تھے' اس لئے کہ اُس روز چار پانچ آدمی کراچی میں پولیس کی حراست میں ہلاک ہوئے تھے جن میں فہیم کمانڈو اور ان کے ساتھی شامل تھے۔ لیکن انہوں نے بڑے متحمل انداز میں میری باتیں سنیں۔ یہ بھی محسوس ہوا کہ وہ بہت پریشان ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ نہایت مایوس ہو چکے ہیں۔ پاکستان کی حکومت سے بھی اور اپوزیشن سے بھی مایوس ہیں اور سب سے بڑھ کر مایوسی انہیں افواجِ پاکستان سے ہے۔ وہ دراصل ردِ عمل میں مایوسی کی اس انتہا پر پہنچے ہیں۔ ان کی امید اب صرف "باہر کی مدد" پر ہے۔ ان کی تجویز یہ ہے کہ پاکستان میں جو بھی باشعور انسان ہے' جسے سیاسی شعور حاصل ہے اور وہ سیاسی کردار کا حامل ہے' اسے احتجاجاً پاکستان چھوڑ کر جلاوطنی اختیار کر لینی چاہئے اور جلاوطنی میں بیٹھ کر ہمیں انسانیت کے ضمیر کو پکارنا چاہئے' اس پر ہمیں باہر سے مدد ملے گی۔

الطاف حسین صاحب سے میں نے چھوٹے صوبوں کی بات بھی کی اور ان سے کہا کہ آپ کھل کر بات کیوں نہیں کرتے؟ آپ یہ تو کہتے ہیں کہ مہاجر صوبہ ہر مہاجر کے دل کی آواز ہے لیکن آپ اس کا مطالبہ تو نہیں کر رہے۔ اس پر انہوں نے کہا : ڈاکٹر صاحب! ہمارے پاس اتنی طاقت نہیں ہے' مہاجر صوبے کا نام لیتے ہی ایسی خون ریزی ہوگی کہ ہمارے پاس اتنے وسائل نہیں کہ ہم اتنی لاشیں اٹھا سکیں۔ یہ ان کے احساسات ہیں جو میں نے تقریباً انہی کے الفاظ میں بیان کر دیئے ہیں۔

میں نے ان سے کہا کہ آپ اس تحریک کو لے کر جہاں تک پہنچ گئے ہیں اور مسلسل ایک خاص کمیونٹی کا جو خون بہہ رہا ہے اور اس سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی زندگی اجیرن ہو گئی ہے تو اس کے دونوں امکانات نکل سکتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "تنگ آمد بجنگ آمد" کے مصداق لوگ حکومت کے خلاف کھڑے ہو جائیں' فوج سے لڑ جائیں' لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی قیادت کی گردن ناپیں کہ جنہوں نے انہیں یہاں تک پہنچایا ہے۔ انہوں نے میری بات سنی اور اثبات میں سر ہلایا کہ ہاں یہ بھی ممکن ہے۔ گویا کہ یہ چیز

ان کے لئے کوئی بہت زیادہ شدید رد عمل کا باعث نہیں بنی۔ آخر وہاں کا مہاجر مسلمان کب تک مار کھائے گا۔ آپ کی طرف سے کوئی فیصلہ کن بات نہیں آ رہی' کوئی لائن نہیں آ رہی' کوئی عوامی تحریک چلانے کا آغاز نہیں ہے' مسلسل خون ریزی ہو رہی ہے' مسلسل خون رس رہا ہے تو یہ لازمی نتیجے نکل سکتے ہیں۔ بہرحال جو کوئی بھی تحریک چلاتا ہے وہ تو امید رکھتا ہے کہ لوگ نکل آئیں گے اور سردھڑ کی بازی لگا دیں گے' لیکن اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔ انہوں نے مانا کہ یہ ہو سکتا ہے۔

ایک اور بات میں نے یہ کہی کہ آپ کو اگر کوئی توقع ہے کہ کوئی باہر سے آپ کی مدد کرے گا تو اگرچہ اس کا بھی امکان ہے کہ آپ کو کوئی مدد مل جائے' میں اس کی نفی نہیں کرتا' لیکن اس کا بھی تو امکان ہے کہ جس سے آپ اپنی توقع وابستہ کریں وہ آپ کے ذریعے سے حکومت پاکستان کو بلیک میل کر کے کچھ مفادات حاصل کرے' اپنے مقاصد پورے کرے' یعنی پنجابی محاورے کے مطابق "اپنے کُجّ تَل لے" اور آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دے۔ سیاست میں ایسا بھی ہوتا ہے اور یہ تو وقت بتاتا ہے کہ کیا ہو گا۔ بڑی طاقتوں کے اپنے مقاصد ہیں' ان کی اپنی اغراض ہوتی ہیں' ان کی اپنی ترجیحات ہیں۔ ان کے مقاصد اگر شمال سے پورے ہوتے ہوں تو پھر انہیں جنوب سے آنے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر شمال میں ان کا الو سیدھا نہیں ہوتا تو انہیں جنوب کی طرف آنا پڑے گا۔ ان کی اولین ترجیح شمال ہے (یعنی کشمیر) جو چین کے بھی قریب ہے اور بھارت کے بھی۔ ان کے لئے اس سے زیادہ پسندیدہ بات اور کونسی ہو گی۔ وہاں پر چھوٹا سا اسرائیل بن جائے تو انہیں پھر آپ کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے ان سے یہ بات کھل کر کی اور انہوں نے ساری بات سنی۔

پھر میں نے ان سے کہا کہ خدا کے لئے میں نے جو بات دس بارہ سال پہلے کہی تھی آپ اسی کی طرف آیئے۔ ایک تو یہ تسلیم کیجئے کہ پاکستان کا استحکام اور اس کا وجود اسلام سے مشروط ہے۔ اگر یہاں اسلام نہیں آئے گا تو یہ سب کچھ اس سے زیادہ گھمبیر اور خطرناک ہو گا۔ ع "اور کچھ روز فضاؤں سے لہو برسے گا!" دوسرے یہ کہ آپ پاکستان کی بات کیجئے' پورے پاکستان کے لئے پیکج دیجئے اور چھوٹے صوبوں کا مطالبہ کیجئے۔ اس میں ہرگز کوئی

خون ریزی نہیں ہوگی۔ اس کے لئے رائے عامہ کو بیدار کیجئے، اپنے دلائل دیجئے۔ اس میں خون ریزی کا مسئلہ نہیں ہے۔ سندھ کے خلیق الزمان جو بہت سخت قسم کے قوم پرست لیڈر ہیں انہوں نے بھی یہ کہا تھا کہ ہم سندھ کے ٹکڑے نہیں ہونے دیں گے اور اگر سندھ کی تقسیم ہوئی تو پنجاب کی تقسیم پہلے ہوگی۔ گویا اگر دوسرے صوبوں کی بھی مزید تقسیم ہو تو ان کے لئے سندھ کی تقسیم قابل قبول ہوگی۔ ہم جو مشرقی پنجاب ۱۹۴۷ء میں چھوڑ کر آئے تھے اس کے تین صوبے بن چکے ہیں۔ اگر اس پنجاب کے بھی پانچ صوبے بن جائیں تو کیا کوئی صوبہ پاکستان سے باہر نکل جائے گا؟ کیا ہریانہ، ہماچل پردیش اور موجودہ پنجاب (مشرقی پنجاب والا) میں سے کوئی صوبہ بھارت سے کہیں باہر چلا گیا ہے؟ میرے نزدیک کراچی کے مسئلے کا یہی ایک حل ہے۔ یہ نہیں ہوگا تو خون بہتا رہے گا، زخم رستے رہیں گے۔ پھر میں نے ان سے یہ بھی عرض کیا کہ صوبے ایک دن میں نہیں بنا کرتے۔ بھارت کی مثال سامنے موجود ہے۔ نئی صوبائی تقسیم کے لئے وہاں پہلے ایک کمیشن مقرر کیا گیا، لیکن وہ بڑی اونچی سطح کے چیف جسٹس صاحبان وغیرہ پر مشتمل کمیشن تھا جس کے بارے میں پہلے سے یہ طے کر دیا گیا تھا کہ ان کی جو سفارشات ہوں گی، مانی جائیں گی۔ دو سال میں ان کی سفارشات آئیں، پھر ان کی implementations ہوئیں۔ وہاں پر جو بھی خون ریزی ہوئی وہ پہلے ہوئی تھی۔ صوبوں کے تقسیم ہونے کے بعد یا صوبے تقسیم ہونے کے دوران کوئی خون ریزی نہیں ہوئی تھی۔ خون ریزی روکنے کا ذریعہ ہی یہ ہے کہ لوگوں کو محسوس کراؤ کہ ہمارا اپنا کوئی علاقہ ہے، جہاں کے مسائل ہم حل کر سکتے ہیں، یہاں کی بھلائی بھی ہمارے لئے ہے اور یہاں کی برائی بھی ہمارے لئے ہے، یہاں کا بھلا ہوگا تو اس کا کریڈٹ ہمیں جائے گا اور برا ہوا تو اس کا ڈس کریڈٹ بھی ہمارا ہوگا۔ جب تک یہ احساس نہیں ہوگا معاملہ درست نہیں ہوگا۔

قوم اور قومیتوں کا معاملہ

اب میں ایک بات مہاجر قومیت کے بارے میں عرض کرنے لگا ہوں۔ اصولی طور پر مہاجر قومیت اور اس کی قیادت ان دونوں چیزوں میں گڈمڈ نہ کیجئے۔ آپ کو تسلیم کرنا پڑے

گا کہ اردو سپیکنگ مہاجرین کی ایک علیحدہ قومیت تشکیل پا چکی ہے اور اس کی ایک قیادت بھی مستحکم ہو چکی ہے۔ آپ کے آنکھیں بند کر لینے سے حقائق نہیں بدلیں گے۔ بلی کو دیکھ کر کبوتر آنکھیں بند کر لے تو کبوتر بچ نہیں جائے گا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہماری قوم قومیتوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ اس لئے کہ آپ نے اسلام کی طرف پیش قدمی نہیں کی۔ اب آپ خیالات کی دنیا میں رہیں اور پروفیسر مرزا محمد منور صاحب کی طرح یا زیڈ اے سلہری صاحب کی طرف سے وحدتِ ملّی کے گیت گاتے رہیں تو کیا حاصل؟ حالانکہ وحدتِ ملی کے سب سے بڑے حُدی خواں علامہ اقبال نے اپنے خطبات میں یہ تسلیم کیا ہے کہ اِس وقت دنیا میں کوئی ایک امتِ مسلمہ موجود نہیں ہے۔

"Instead there are a number of Muslim Nations"

اسی طرح آج پاکستان میں کوئی پاکستانی قوم موجود نہیں ہے، بلکہ اس کے بجائے بہت سی قومیتیں موجود ہیں۔ حقائق کو سمجھئے، ان کا سامنا کیجئے اور انہیں تسلیم کیجئے، تبھی بات آگے چلے گی۔ مولانا مودودی کا ایک اصولی موقف تھا اور صدفی صد درست تھا کہ مسلمان کوئی قوم نہیں ہیں، بلکہ مسلمان تو درحقیقت ایک نظریاتی جماعت ہیں، ایک امت ہیں، حزب اللہ ہیں۔ قوم کا لفظ تو نسلی، علاقائی اور ثقافتی تقسیم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مولانا مرحوم کا یہ بڑا تاریخی جملہ ہے کہ "اگرچہ اصولاً مسلمان کسی قوم کا نام نہیں ہے لیکن صدیوں کے تعامل کے نتیجے میں اب واقعتاً ایک مسلم قوم وجود میں آچکی ہے۔" یعنی مسلمان کا بیٹا مسلمان ہے، وہ خواہ نماز پڑھے یا نہ پڑھے، یہاں تک کہ اشتراکی ہو جائے، خدا کا منکر ہو جائے، خدا کو گالیاں دے رہا ہو، لیکن ہے وہ مسلمان، کیونکہ اس کے باپ نے اس کا نام مسلمانوں والا رکھا تھا، لہٰذا وہ قوم میں شامل ہے۔ اسی طرح آپ کو پسند ہو یا ناپسند ہو، میں کہتا ہوں کہ مہاجر قومیت اپنے آپ کو منوا چکی ہے، یا یوں کہئے کہ ہماری سزا کے طور پر ہم پر مسلط کی جا چکی ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ اس کی قیادت بھی مستحکم ہے۔ اب ہمارے لئے صحیح حکمتِ عملی یہ ہے کہ اس قومیت کو تسلیم کریں اور اگر قیادت reactionary ہے تو اس کے پاؤں تلے سے زمین کھینچیں۔ یعنی اس قومیت کو تسلیم کر کے اس کو اس کے حقوق دیں۔ اگر حقوق کی نفی کریں گے تو اس کا ردعمل تو لازماً ہو گا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر آپ

نے اس کو ماننے سے انکار کیا تو وہ reactionary قیادت اس Point of no return کو پہنچ جائے جہاں کبھی شیخ مجیب الرحمٰن پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے خود کہا تھا کہ تم لوگوں نے مجھے اس مقام پر پہنچا دیا ہے جہاں سے میرے لئے واپس آنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن ہمارا وطیرہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ وقت پر عقل کی بات کرنی نہیں' جذبات کے اندر بہتے رہنا اور وقت گزر جانے پر ہوش میں آنا۔ گویا۔

ہرچہ دانا کند کند ناداں
لیک بعد از خرابیٔ بسیار!

اور اس خرابیٔ بسیار کا پھر کوئی حل نہیں ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس صورت حال کو کسی وقت باہر سے کوئی طاقت اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے کسی بھی طرح استعمال کر لے۔

نظام خلافت کے معاشرتی اور معاشی پہلو بھی اپنی جگہ بہت اہم ہیں اور میں نے انہیں بار ہا بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ لیکن اس کا دستوری پہلو میں خاص طور پر اس لئے تفصیل کے ساتھ واضح کرنا چاہتا تھا کہ یہ پہلا قدم ہے' یہ طے ہو گا تو گاڑی آگے چلے گی۔ پاکستان کے عوام کا اجتماعی عزم و ارادہ سامنے آئے گا کہ ہم مسلمان جینا چاہتے ہیں اور مسلمان مرنا چاہتے ہیں تو یہ پہلا قدم اٹھے گا جس کے بعد گاڑی چل پڑے گی (The ball will be set rolling) ۔ بہرحال ان چیزوں پر میرے آڈیوز اور ویڈیوز مفصل بھی ہیں' مجمل بھی ہیں' اردو میں بھی ہیں' انگریزی میں بھی' ان سے استفادہ کیجئے!

نظامِ خلافت کے قیام کا طریق کار

اپنی گفتگو کے آخری حصے میں مَیں اختصار کے ساتھ یہ عرض کروں گا کہ عہدِ حاضر میں نظامِ خلافت کے نفاذ اور قیام کا طریق کار کیا ہے۔ یعنی اب نظام خلافت دوبارہ کیسے قائم ہو گا؟ اس ضمن میں پہلے چند چیزوں کی نفی کر رہا ہوں۔ اولاً: یہ محض آرزوؤں سے نہیں ہو گا (لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ) ثانیاً: محض دعاؤں سے بھی

نہیں ہوگا' دعائیں منہ پر دے ماری جائیں گی۔ قنوتِ نازلہ پڑھتے پڑھتے اور حرمین الشریفین میں پڑھتے پڑھتے سقوطِ ڈھاکہ ہو گیا تھا۔ ثالثاً : محض دعوت سے بھی کچھ نہیں ہوگا۔ آج تک دنیا کی تاریخ میں محض دعوت سے کبھی نظام نہیں بدلا۔ دعوت کا کام اس معاشرے میں بڑے عرصے سے بہت بڑے پیانے پر ہو رہا ہے۔ ہم نے بھی قرآن مجید کی دعوت بڑے پیانے پر عام کی ہے۔ لیکن محض دعوت سے یہ کام نہیں ہوا کرتے۔ اس کے لئے اس سے کچھ آگے بڑھ کر کام کرنا پڑتا ہے۔ رابعاً : انتخابات سے بھی کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ اس معاملے میں بجائے اس کے کہ کچھ مددگار ہوں الٹا نقصان دہ ہیں۔ انتخابات تو کسی نظام کو چلانے کے لئے کرائے جاتے ہیں' اسے بدلنے کے لئے نہیں۔ پھر انتخابات لازمی طور پر موجودہ نظام کے عکاس ہوتے ہیں۔ کسی جگہ جو بھی معاشی اور معاشرتی نظام ہے اس کی اقدار کا عکس انتخابات میں آ جاتا ہے۔ جاگیردارانہ نظام ہے تو جاگیردار منتخب ہو کر آگے آ جائیں گے' سرمایہ داری ہے تو سرمایہ دار آ جائیں گے اور وہ اپنے نظام کو بدلنے نہیں دیں گے۔

مذکورہ بالا چار باتوں کی نفی کے بعد اب میں اثبات پر آ رہا ہوں۔ جانیں دیئے بغیر' خون دیئے بغیر یہ کام کبھی ہوا ہے' نہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ سے بڑا داعی' آپ ؐ سے بڑا مربی' آپ ؐ سے بڑا مزکی اور آپ ؐ سے بڑا معلم تو کوئی نہیں ہو سکتا۔ آپ ﷺ کو بھی خود اپنا خون دینا پڑا ہے اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو بھی۔ حضور ﷺ کو مکی دور میں بھی' طائف میں' اپنا خون دینا پڑا ہے اور مدنی دور میں بھی' دامنِ احد میں' خون دینا پڑا ہے۔ پھر سینکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانوں کا نذرانہ دینا پڑا ہے۔ اور ایک ایک صحابیؓ کی جان ہم جیسے لاکھوں انسانوں کی جانوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ تو یہ نوٹ کر لیجئے کہ اس کے بغیر یہ کام نہیں ہوگا۔ یہ کام آسان نہیں ہے' بہت مشکل کام ہے۔ یہ کام اتنی آسانی سے نہیں ہوتے۔ نظام کا بدلنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ ہر نظام کے ساتھ مراعات یافتہ طبقہ کے مفادات (Vested Interests) وابستہ ہوتے ہیں اور یہ طبقہ ان مفادات کا پورا پورا دفاع کرتا ہے۔ چنانچہ وہ انقلاب کی ہر کوشش کو کچل دینے کے لئے متحد ہو کر اپنے تمام وسائل استعمال کرتا ہے۔ ع

نظامِ کہنہ کے پاسبانو! یہ معرضِ انقلاب میں ہے!!

لہٰذا تصادم ناگزیر ہے' جانیں دینی پڑیں گی۔

لیکن اس اثبات میں بھی ایک نفی ہے۔ اور وہ یہ کہ جانیں بھی اگر طریق محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) پر دی جائیں گی تو کام ہو گا' ورنہ نہیں۔ افغانستان میں پندرہ لاکھ مسلمان ختم ہو چکا ہے اور ابھی کہیں منزل کا نشان بھی نظر نہیں آ رہا۔ میں کہتا ہوں کہ پندرہ کروڑ جانوں سے بھی کچھ نہیں ہو گا اگر طریق محمدی ﷺ کے مطابق جدوجہد نہ کی جائے۔ امام مالکؒ کا قول ہے : لَایَصْلُحُ آخِرُ هٰذِهِ الاُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهٖ اَوَّلُهَا" اسی سے ملتا جلتا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول بھی موجود ہے۔ یعنی "اس امت کے آخری حصے کی اصلاح نہیں ہو سکتی مگر اسی طور سے جیسے کہ پہلے حصے کی اصلاح ہوئی"۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق اس امت کا آخری دور پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور ہو گا۔ اور یہ جس طور سے پہلے آیا تھا اسی طور سے بعد میں آئے گا۔ اور یہ پہلے کسی ایک ملک میں آئے گا' پھر پورے عالم میں پھیلے گا۔ لہٰذا عالمی خلافت کا ہدف ذہن میں رکھتے ہوئے پہلے کسی ایک جگہ پر کوشش کیجئے اور ظاہر بات ہے کہ جو جہاں ہے وہیں کوشش کر سکتا ہے۔ اگر امام جمیل الامین اور امام عیسیٰ عبدالکریم یہاں آ کر جدوجہد کریں گے تو یہ مؤثر نہیں ہوں گے۔ تاہم مختلف جگہوں پر کام کرنے والی تحریکوں اور افراد کے باہمی رابطے ضرور ہونے چاہئیں' اس سے حوصلے بڑھتے ہیں میں جتنا کام یہاں کر سکتا ہوں' کہیں اور جا کر نہیں کر سکتا۔ دوسرے' جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں' احادیث میں وارد شدہ پیشینگوئیوں کی بناء پر اور بعض دیگر عوامل کے پیش نظر میں اس کے بارے میں تقریباً یقین رکھتا ہوں کہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے دورِ ثانی کا نقطہ آغاز یہی سرزمین بنے گی۔ گویا "جا ایں جاست!"

اب آیئے کہ وہ منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ ہے کیا؟ اس موضوع پر بھی میرے آڈیوز' ویڈیوز اور کتابیں وغیرہ موجود ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کا شکر ہے کہ میں پورے اطمینان سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس مسئلے کا حق ادا کر دیا ہے۔ آج کی نشست میں میں انتہائی اختصار کے ساتھ چند باتیں عرض کروں گا۔ پہلی بات' جیسے کہ رحمت اللہ بٹر صاحب

نے فرمایا : "پہلے اپنی ذات میں خلیفہ بنو' اپنی ذات پر خلافت نافذ کرو"۔ سب سے کٹھن کام یہی ہے ؏ منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں! ہمارا طرزِ عمل بالعموم یہ ہوتا ہے کہ دنیا بدل جائے' معاشرہ بدل جائے' نظام بدل جائے' لیکن میں وہیں کا وہیں رہوں' مجھے کوئی گزند یا نہ نقصان نہ پہنچے' کوئی تکلیف نہ آئے' میرے شب و روز نہ بدلیں' میرے پراٹھے اور حلوے مانڈے میں کوئی فرق نہ آئے' البتہ انقلاب برپا ہو جائے' نظام تبدیل ہو جانا چاہئے۔ اور کہیں کسی فائیو سٹار ہوٹل میں ڈنر کے بعد ملک کے حالات پر مرثیہ خوانی کرلی جائے تو اس سے کیا حاصل ہو گا؟ مجھ سے امریکہ میں کوئی صاحب پوچھتے ہیں کہ پاکستان کے حالات کیا ہیں تو میں جواب میں کہتا ہوں آپ کو اس سے کیا غرض ہے؟ ؏ تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنا! تو اس پر وہ چونک جاتے ہیں۔ بہرحال پہلی بات یہ ہے کہ اپنی ذات پر خلافت کا نظام قائم کرو۔ اور اس کے لئے بٹر صاحب نے بڑی پیاری آیت بھی پیش کی ہے :

﴿ اٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ﴾ (الحدید : ۷)

"ایمان لاؤ (جیسا کہ ایمان کا حق ہے) اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر اور خرچ کرو ہر اس شے میں سے جس میں اس نے تمہیں خلافت عطا کی ہے"۔

دوسرے یہ کہ اس کے لئے التزامِ جماعت ضروری ہے۔ یہ کام افراد کے کرنے کا نہیں' جماعت کے کرنے کا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ "اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے"۔ اور حضرت حارث الاشعریؓ سے مروی حدیث کے الفاظ ہیں :

آمُرُكُم بخمسٍ : بِالجَماعَةِ' وَالسَّمع' وَالطاعَةِ' وَالهجرَةِ' وَالجهادِ في سبيل اللّٰه (رواہ الترمذی)

(مسلمانو!) میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں : (۱) جماعت کے ساتھ منسلک رہنے کا (۲) صاحبِ امر کی بات سننے اور (۳) اس کو ماننے کا (۴) ہجرت اور (۵) جہاد کا"۔

التزامِ جماعت کے موضوع پر اگرچہ اردو میں میرے کچھ مضامین بھی چھپے ہیں اور میں

نے بہت سی تقریریں بھی کی ہیں، لیکن اس بار دورۂ امریکہ کے دوران شکاگو میں ایک جگہ خطاب کی دعوت ملی تو میں نے اس موضوع پر انگریزی میں تقریر کی :

"The importance, the nature and the bases of the organization in Islam with special reference to the institution of Bai'ah"

اسلامی انقلاب اور نظامِ خلافت کے قیام کے لئے جو تنظیم قائم کی جائے اس کے نظام کی بنیاد بیعت پر ہو۔ انقلابی عمل اس کے بغیر نہیں ہو سکتا، کسی ڈھیلی ڈھالی اور Hotchpotch تنظیم سے یہ کام نہیں ہو گا۔ فَاسْمَعُوا وَاَطِیْعُوا!

تیسری بات یہ کہ جماعت وجود میں آکر کرے گی کیا؟ آیا مسلح انقلاب لائے گی؟ فوجی انقلاب لائے گی؟ یا انتخابات میں حصہ لے گی؟ کیا کرے گی؟ اس جماعت کی غرض و غایت کے لئے میں خالص دینی اصطلاح آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں اور وہ ہے "نہی عن المنکر"۔ یہ جماعت جس سطح پر بھی ممکن ہو برائی کو روکے گی۔ یہ اقتدار اور حکومت کی طالب نہیں ہو گی۔ اس کا کام منکر کو ختم کرنا ہے۔ یعنی شریعت کی رو سے جو شے حرام ہے، غلط ہے، اس کا استیصال کرنا۔ اور اس کے تین درجے ہیں جو حدیث میں آتے ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

> مَنْ رَاٰی منکم منکرًا فلیغیّرہُ بیدِہٖ، فَاِن لَّمْ یَسْتَطِعْ فبلسانہٖ، فان لم یستطع فبقلبہٖ، وذٰلکَ اَضْعَفُ الاِیمان (مسلم)

"تم میں سے جو کوئی بھی کسی منکر کو دیکھے تو اس کا فرض ہے کہ اسے اپنے زورِ بازو سے روکے۔ اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی استطاعت بھی نہ رکھتا ہو تو دل میں برائی سے نفرت کرے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے"۔

اس موضوع پر اہم ترین حدیث حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے، جو بد قسمتی سے عوام کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔ یہ روایت بھی مسلم شریف میں ہے اور اس کے الفاظ ہیں :

> مَا مِن نَبِیٍّ بعثہ اللّٰہ فِی اُمَّۃٍ قبلی الا کان لہ مِن امّتہٖ

حَوارِیُّون و اَصحابٌ یأخذون بِسُنَّتِہٖ وَیقتدون بِاَمرِہٖ، ثمّ اِنّہا تخلفُ مِن بعدِ ھِم خلوفٌ یقُولُونَ مَالایَفعَلون ویَفعلون مَالاَ یُؤمَرُون، فمَن جاھَدَھُم بیدِہٖ فھومُؤمنٌ، ومَن جاھَدھم بلسانِہٖ فھو مؤمنٌ، ومَن جاھدھم بقلبِہٖ فھومومنٌ، ولَیس وَراءَ ذٰلکَ مِنَ الاِیمانِ حبّۃُ خردِلٍ (مسلم)

''کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جسے اللہ نے مجھ سے پہلے کسی امت میں مبعوث کیا ہو مگر یہ کہ اس کی امت میں سے کچھ لوگ (نکلتے تھے جو اس کے) حواری اور اصحاب ہوتے تھے (مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے صحابیؓ)۔ وہ نبی کی سنت کو مضبوطی سے تھامتے تھے اور اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے تھے۔ پھر (ہمیشہ ایسا ہوتا رہا کہ) انکے (کچھ عرصے کے) بعد ایسے ناخلف لوگ آجاتے تھے جو کہتے وہ تھے جو کرتے نہیں تھے اور کرتے وہ تھے جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ تو جو کوئی ایسے لوگوں کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جہاد کرے گا تو وہ مومن ہے، اور جو ان سے اپنی زبان سے جہاد کرے گا تو وہ مومن ہے، اور جو ان سے اپنے دل سے جہاد کرے گا تو وہ بھی مومن ہے۔ اور اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں!''

حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اُس قوت و اقتدار کے حامل طبقے سے جہاد کا حکم دیا جارہا ہے جو بگاڑ کا شکار ہو گیا ہو۔ ان کے بارے میں پہلی بات ہی یہ فرمائی: ''فمَن جاھدَھُم بیدِہٖ فھومؤمنٌ'' یعنی ''جو ایسے لوگوں سے ہاتھ سے جہاد کرے گا وہ مؤمن ہے''۔ اور ہاتھ سے جہاد کے جو مراحل میں ان کے ضمن میں مولانا گوہر رحمٰن صاحب نے فرمایا ہے کہ مسلح بغاوت کا بھی حق ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی اجازت دی ہے اگرچہ شرائط عائد کی ہیں۔ مجھے ان سے اتفاق ہے، لیکن میرے پیش نظر غیر مسلح بغاوت کا پروگرام ہے۔ پھر فرمایا: ''وَمن جاھدھم بلسانہٖ فھومؤمنٌ'' ''اور جو ان سے زبان سے جہاد کرے گا وہ مومن ہے''۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ ہم کر رہے ہیں۔ اس کے بعد درجہ دل سے برائی کے خلاف نفرت کا ہے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر تو ایمان کی خیر منائیے۔ آنحضور ﷺ فرمارہے ہیں کہ اس کے بعد تو ایمان

رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں!! ان دو حدیثوں کے ساتھ سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۲ شامل کر لیجئے تو خالص دینی اصطلاح کے تحت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا پورا پروگرام وجود میں آجاتا ہے :

﴿ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

اس آیتِ مبارکہ میں وہ اوصاف بیان کر دیئے گئے ہیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے قائم ہونے والی جماعت کے کارکنوں کے اندر ہونا ضروری ہیں۔ یعنی : (۱) توبہ کرنے والے' رجوع کرنے والے۔ خطا یا غلطی ہو جائے تو فوراً توبہ کریں۔ (۲) اللہ کے عبادت گزار' اس کے اطاعت شعار۔ (۳) اللہ کی حمد و ثنا میں مصروف رہنے والے۔ (۴) لذاتِ دنیوی سے کنارہ کشی کر لینے والے۔ (۵) اللہ کی جناب میں رکوع کرنے والے۔ (۶) اللہ کی بارگاہ میں سجدے کرنے والے۔ (۷) نیکی کا حکم دینے والے۔ (۸) بدی سے روکنے والے۔ (۹) اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔ اور آخر میں فرمایا گیا کہ اے نبی' ایسے اہل ایمان کو بشارت دیجئے!

موجودہ حالات میں اقدام کی صورت کیا ہو گی؟ میرے نزدیک اس کے لئے ایک منظم' پرامن اور غیر مسلح تحریک اٹھانی ہو گی' جو ترکِ موالات (Non Co-operation) اور سِول نافرمانی کے ذریعے حکومت کو برائیوں کے خاتمے پر مجبور کر دے --- جو یہ نعرۂ مستانہ بلند کرے کہ چونکہ تم حرام کاریوں میں مصروف ہو لہٰذا ہم تمہیں ٹیکس نہیں دیں گے --- جو منکرات کے خلاف سینہ سپر ہو جائے کہ ہم جیتے جی ان کو برداشت نہیں کریں گے' ہم سودی کاروبار نہیں ہونے دیں گے۔ اس تحریک کے کارکنان گولیوں کے سامنے اپنے سینے حاضر کر دیں کہ چلاؤ گولیاں کہ ع شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن! مسلح بغاوت کی شرائط تو بہت کڑی ہیں' لیکن یہ ایک غیر مسلح بغاوت ہو گی' جس کی اس کے سوا کوئی شرط نہیں ہے کہ کسی کو گزند نہ پہنچاؤ' کسی کی جان' مال یا جائیداد کو نقصان نہ پہنچاؤ! ہورڈنگز اور سائن بورڈ مت توڑو! بے چاری بے گناہ بسوں کو مت جلاؤ! لیکن

اس کے لئے پہلے طاقت حاصل کرنا ہوگی' اپنے بازو مضبوط کرنے ہوں گے۔

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے!

پاکستان میں میرے اندازے کے مطابق کم از کم دو لاکھ افراد تیار ہو جائیں جو ایک قیادت کے تحت تن من دھن لگانے کے لئے تیار ہوں' جان دینے کو تیار ہوں' دوسروں کا خون بہانے کے لئے نہیں بلکہ اپنا خون دینے کے لئے تیار ہوں تو منزل سر ہوگی۔ اور ؏ گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں! چاہے ہمارے جلسے ہوں' چاہے کانفرنسیں ہوں اور چاہے تربیتی کورسز ہوں۔ اگرچہ یہ سب کام بھی ضروری ہیں' دعوت ضروری ہے' تبلیغ ضروری ہے' اجتماعات ضروری ہیں' لیکن آخری منزل کیا ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت' نہ کشور کشائی!

بہرحال یہ ہے نظامِ خلافت کے قیام کے لئے تنظیم اسلامی کا پروگرام جو میں نے چند جملوں میں بیان کر دیا ہے۔ اس پر میرے متعدد آڈیوز اور ویڈیوز کے علاوہ "منہجِ انقلابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب موجود ہے۔

آخر میں اللہ کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ ؏

شکر صد شکر کہ جمّازہ بمنزل رسید!

ہماری یہ دو روزہ "احیائے خلافت کانفرنس" اختتام کو پہنچی۔ میں تمام حاضرین کا اور خصوصیت کے ساتھ ان مہمانانِ گرامی کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو طویل سفر کر کے یہاں آئے اور ان کی برکت و سعادت سے یہاں ہمارے کام کو تقویت حاصل ہوئی۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات OO

(مرتب : حافظ خالد محمود خضر)

نوٹ : خطابات کو تحریری شکل میں مرتّب کرتے وقت اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ مرتّب سے کسی علمی و فکری غلطی کا صدور ہو جائے۔ لہٰذا خطاب میں موجود کسی لفظی یا معنوی غلطی کو محترم ڈاکٹر صاحب کی طرف منسوب کرنے کی بجائے مرتب سے وضاحت طلب کر لی جائے۔ (مرتّب)

افہام و تفہیم

منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ

اعتراضات اور جوابات

انجینئر نوید احمد' کراچی

تنظیم اسلامی میں کسی بھی مسلمان فرد کی شمولیت درج ذیل تین باتوں کی بنیاد پر ہوتی ہے:

۱۔ اس تصور فرائض دینی سے اتفاق جو امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے قرآن و سنت کی روشنی میں پیش فرمایا ہے۔

۲۔ فرائض دینی کی ادائیگی کے لئے اس طریقہ کار سے اتفاق جسے امیر تنظیم نے "منہجِ انقلاب نبوی" کے عنوان سے پیش کیا ہے۔

۳۔ امیر تنظیم کے خلوص و اخلاص اور تقویٰ و تدیّن پر اعتماد' کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کے ذریعے ان کے پیش نظر خالصتاً رضائے الٰہی کا حصول ہے' دنیا کی طلب نہیں ہے۔

تنظیم اسلامی اس بات کا خصوصی اہتمام کرتی رہی ہے کہ اگر کسی بھی شخص یا حلقے کی طرف سے متذکرہ بالا تصور فرائض دینی یا طریقہ کار پر تنقید سامنے آئے تو اس کا جائزہ لیا جائے۔ پھر اگر اس تنقید میں کوئی اصلاح طلب پہلو ہو تو اسے قبول و اختیار کیا جائے اور اگر کچھ مغالطے ہوں تو دلائل و براہین کے ذریعے ان کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس سب کا اصل مقصد یہ ہے کہ رفقائے تنظیم اسلامی کے قلوب و اذہان تصور فرائض دینی اور طریقہ کار کے حوالے سے شکوک و شبہات سے پاک رہیں اور اس بارے میں ان کا اتفاق پورے شعور اور انشراح صدر کے ساتھ ہو۔

اصل موضوع کی طرف آنے سے قبل یہ مناسب ہو گا کہ متذکرہ بالا تصور فرائض دینی اور طریقہ کار کا ایک اجمالی نقشہ قارئین کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

تصورِ فرائض دینی :

قرآن حکیم' سنت رسول اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے کہ :

"اپنی ذاتی زندگی کے تمام گوشوں میں پورے ذوق و شوق اور دلی آمادگی کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کی کامل بندگی اختیار کرے' اسی کی دعوت ایک فطری تدریج اور حسین تناسب کے ساتھ اپنے اہل و عیال' کنبے قبیلے اور عوام الناس کو دے اور اس نظام عدل اجتماعی کے قیام کے لئے تن من دھن کے ساتھ کوشش کرے' جس میں دین و دنیا اور مذہب و سیاست کے مجموعے پر اللہ کی حاکمیت اور سنت رسول کی غیر مشروط اور بلااستثنار بالادستی قائم ہو۔"

اس سلسلے میں تفصیلات جاننے اور متعلقہ آیات قرآنیہ و احادیث مبارکہ کے حوالہ جات دیکھنے کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے مختصر کتابچے "فرائض دینی کا جامع تصور" کا مطالعہ مفید رہے گا۔

طریقہ کار :

دینی فرائض کی ادائیگی اور خاص طور پر نظام عدل اجتماعی کے قیام کے لئے قرآن و سنت پر مبنی طریقہ کار یعنی منہج انقلابِ نبوی کے چھ مراحل ہیں۔

۱۔ دعوت : ایک ایسے انقلابی نظریہ کی نشر و اشاعت جس میں اسلام کے نظام عدل اجتماعی کی برکات یعنی حریت' اخوت اور مساوات کی وضاحت ہو' باطل نظام کی خرابیوں اور ظلم پر مدلل تنقید ہو اور قرآن و حدیث کے ذریعے لوگوں کو باطل نظام کی بیخ کنی اور نظام عدل اجتماعی کے قیام کے لئے تن من کے ساتھ جدوجہد کرنے کی دعوت ہو۔

۲۔ تنظیم : جو لوگ دعوت قبول کریں ان کو شخصی بیعت سمع و طاعت فی المعروف کے ٹھیٹھ اسلامی اصول پر منظم کیا جائے اور تنظیم میں درجہ بندی کا معیار ایثار و قربانی اور انقلابی نظریہ کے ساتھ مکمل ذہنی اور عملی وابستگی ہو' نہ کہ ذات و برادری اور روپیہ پیسہ' مال و منال یا دنیوی جاہ و حشمت۔

۳۔ تربیت : تنظیم میں شامل ہونے والے افراد کی تربیت اسوۂ رسول اکرم ﷺ کی روشنی میں قرآن حکیم کے ذریعہ اس طرح کی جائے کہ

(i) ان میں رضائے الٰہی کی طلب بڑھتی چلی جائے۔

(ii) ان کی باہمی محبتیں دین پر عمل اور اس کے لئے محنت کے معیار پر استوار ہوتی چلی جائیں۔ اور

(iii) ان میں نظم کی پابندی کے ساتھ دین کی نشر و اشاعت اور غلبے کے لئے مال و جان لگانے کا جذبہ حتیٰ کہ اسی راہ میں جان دینے کی آرزو پروان چڑھتی چلی جائے۔

۴۔ صبر محض : نظریہ اگر واقعی انقلابی ہو تو باطل نظام لازماً اس کی مخالفت کرتا ہے۔ یہ مخالفت زبانی طنز و استہزاء سے گزر کر جسمانی تشدّد اور خون ریزی تک جا پہنچتی ہے۔ صبر محض یہ ہے کہ مناسب قوت کی فراہمی تک اس مخالفت کی ہر شکل کو برداشت کیا جائے اور کوئی جوابی کارروائی نہ کی جائے۔ مناسب قوت سے مراد معتدبہ تعداد میں ایسے رفقاء کی فراہمی ہے جو اپنی ذات کی حد تک واقعتاً اللہ کے بندے بن چکے ہوں، پابندی نظم کے خوگر ہونے کا ثبوت دے چکے ہوں اور اللہ کے دین کے لئے جان و مال قربان کرنے کو سب سے بڑی سعادت سمجھتے ہوں۔

۵۔ اقدام : مناسب قوت فراہم ہونے پر نہی عن المنکر بالید کا آغاز کیا جائے، یعنی باطل نظام کی کسی دکھتی رگ کو چھیڑا جائے۔ اس کے نتیجے میں باطل نظام کے محافظ پوری قوت سے انقلابی جماعت کو کچلنے کے لئے میدان میں نکل آئیں گے۔

۶۔ مسلح تصادم : اقدام کے نتیجے میں باطل پوری قوت کے ساتھ انقلابی تحریک پر حملہ آور ہوگا اور تصادم کا آغاز ہو جائے گا۔ اگر انقلابی تحریک نے ابتدائی مرحلے صحیح طور پر طے کرکے اقدام کا فیصلہ کیا ہے تو اسے تصادم میں کامیابی نصیب ہوگی۔ بصورت دیگر اس دنیا میں یہ تحریک ناکام ہو جائے گی۔ لیکن خلوص و اخلاص سے کی گئی جدوجہد کا اصل اور ہمیشہ باقی رہنے والا اجر تو بہرحال محفوظ ہے اور آخرت میں مل کر رہے گا۔

نبی کریم ﷺ نے مندرجہ بالا چھ مراحل طے فرما کر تاریخ انسانی کا ہمہ گیر اور عظیم

ترین انقلاب برپا کیا۔ البتہ موجودہ حالات دو اعتبارات سے مختلف ہیں :

۱۔ آج باطل نظام کے سرپرست اور محافظ کلمہ گو مسلمان ہیں۔

۲۔ باطل نظام کی حفاظت کے لئے تربیت یافتہ اور جدید ہتھیاروں سے مسلح افواج موجود ہیں۔

کلمہ گو مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے لئے فقہاء نے کڑی شرائط رکھی ہیں اور ویسے بھی نہتے عوام جدید ہتھیاروں سے مسلح فوج کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ لہٰذا آج کے دور میں اقدام کے مرحلے کے دوران مسلح بغاوت کے بجائے پُرامن جلسوں، جلوسوں، مظاہروں، ناکہ بندیوں اور سول نافرمانیوں کے ذریعے حکومتِ وقت پر باطل نظام کو ختم کرنے کے لئے دباؤ ڈالا جاسکتا ہے۔

فرائض دینی کی ادائیگی کے لئے طریقہ کار کی تفاصیل ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی معرکتہ الآراء تصنیف "منہجِ انقلابِ نبوی" میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے انقلاب کے مراحل اور موجودہ حالات کے اعتبار سے ان مراحل میں اجتہاد کو بڑے شرح و بسط کے ساتھ بیان کردیا ہے۔

پچھلے دنوں کچھ اصحاب کی طرف سے تنظیم اسلامی کے اختیار کردہ طریقہ کار پر چند اعتراضات تحریری شکل میں سامنے آئے۔ چونکہ بعض رفقائے تنظیم نے ان اعتراضات میں کچھ وزن محسوس کیا لہٰذا ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ان اعتراضات کا جواب قرآن و سنت اور عقل و منطق کی روشنی میں پیش کیا جائے۔

پہلا اعتراض

"انقلاب نبوی کا منہاج صرف اور صرف دعوت کا منہاج ہے۔ اس کی ابتداء بھی دعوت ہے اور انتہا بھی دعوت۔ دعوت کے ذریعہ مسلمانوں کو ہم نوا بنا کر ان کی آزادانہ مرضی اور ان کی رائے اور مشورہ سے پہلے اسے امت میں برپا کیا جائے، پھر اگر ضرورت ہو تو جہاد و قتال کے ذریعہ سے یہ امت اپنے فرماں رواؤں کی قیادت میں بالکل اسی طرح پوری دنیا میں اس کی توسیع کے لئے نکل کھڑی ہو، جس طرح رسالت مآبؐ کے بعد صحابہ

کرام خلفائے راشدین کی قیادت میں روم و ایران کی بادشاہتوں میں اس کے لئے نکل کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے ان کی سرحدوں پر کھڑے ہو کر کہا تھا کہ اسلام لاؤ' جزیہ دو یا لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

رسالت مآب ﷺ نے انقلاب تو یقیناً برپا کیا اور تاریخ عالم کا سب سے حیرت انگیز انقلاب برپا کیا لیکن اس کے لئے جدوجہد کے دوران نہ بیعتِ سمع و طاعت کی بنیاد پر کوئی تنظیم قائم کی' نہ اپنے صحابہ سے کبھی اس کا مطالبہ کیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ نفوس قدسیہ نے تعلیم بھی پائی اور تزکیہ بھی حاصل کیا لیکن نہ اس انقلاب کو برپا کر دینے کے لئے بحیثیتِ جماعت یہ کبھی میدان میں اترے' نہ اس کے لئے کبھی تلوار اٹھائی' نہ جہاد و قتال کی نوعیت کا کوئی اقدام کیا۔ انقلاب بیشک برپا ہوا اور اسے پیغمبر ﷺ اور اس کے چند ساتھیوں ہی نے برپا کیا مگر یقین کیجئے تیر و تفنگ اور تیغ و تبر سے نہیں بلکہ دعوت اور صرف دعوت سے برپا کیا۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ اس انقلاب کی جدوجہد میں کسی جارحانہ اقدام کے لئے تیغ و تبر تو ایک طرف ایک چھڑی اور ایک لٹھیا بھی کسی شخص نے حضور ﷺ کے ہاتھ میں کبھی نہیں دیکھی۔ اس کے لئے جدوجہد کی ابتداء بھی دعوت سے ہوئی اور انتہا بھی دعوت پر ہوئی۔ اس میں دعوت سے آگے کوئی اقدام کبھی کیا ہی نہیں گیا۔ اس کا ایک ہی مرحلہ ہے اور اسی مرحلہ دعوت میں یہ جدوجہد اپنی منزل مقصود تک پہنچ گئی۔ باور کیجئے' تاریخِ عالم کے اس حیرت انگیز انقلاب میں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہا۔ یہ خدا کی اس زمین پر دعوت اور صرف دعوت کے ذریعہ سے برپا ہو گیا۔"

جواب

اس سے قبل کہ پہلے اعتراض کے جواب میں دلائل پیش کئے جائیں' مناسب محسوس ہوتا ہے کہ قارئین کے سامنے ایک سوال Searching Question کے طور پر رکھا جائے۔ سوال کرنے کا یہ اسلوب ہمیں قرآن حکیم سے ملتا ہے۔ کائنات کے بعض حقائق از خود اتنے واضح ہوتے ہیں کہ ان کے ثبوت کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ اگر پھر بھی کوئی ان حقائق کو تسلیم کرنے سے انکار کرے تو اس سے

Searching Question کیا جاتا ہے کہ کیا واقعی آپ اپنے اس انکار میں سنجیدہ ہیں؟ کیا اس کائناتی حقیقت پر اعتراض کرنے میں آپ کا دل آپ کی زبان کا ہمنوا ہے؟ سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر۹ میں کفار کا رسولوں کی دعوت کے بارے میں جواب بیان کیا گیا ہے کہ

"اِنَّا لَفِیْ شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَیْہِ مُرِیْبٍ"

"ہم تو اس بات کے بارے میں خلجان میں ڈالنے والے شبہ میں مبتلا ہیں جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو۔"

رسولوں کی طرف سے Searching Question کیا گیا :

"اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"

"کیا (تمہیں) اللہ کے بارے میں شبہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے؟"

اسی طرح سورۃ الانعام کی آیت نمبر۱۹ میں مشرکین سے سوال کیا گیا کہ :

"اَئِنَّکُمْ لَتَشْھَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰہِ اٰلِھَۃً اُخْرٰی"

"کیا تم لوگ واقعی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں؟"

اب ذرا آپ آج کی صورت حال پر غور کیجئے کہ ہم ایک ایسے معاشرہ میں ہمہ گیر انقلاب لانا چاہتے ہیں جہاں ایک مستحکم ریاست قائم ہے، نظام کی حفاظت کے لئے منظم، تربیت یافتہ، اور جدید اسلحہ سے لیس فوج موجود ہے اور اس نظام کی اصل سرپرست Sole Supreme Power on Earth یعنی امریکہ ہمارے معاملات پر براہ راست نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ کیا ان حالات میں ممکن ہے کہ ہم فرداً فرداً نظامِ باطل کے خلاف آواز اٹھائیں، کوئی اجتماعی قوت نہ بنائیں، کوئی دباؤ نہ ڈالیں اور یہ نظام دعوت اور محض دعوت سے تبدیل ہو جائے؟ کیا اس طرح سے ممکن ہے کہ معاشرے کے مفاد یافتہ طبقات یعنی جاگیردار، سرمایہ دار، بیوروکریٹس اپنے مفادات سے دستبردار ہو کر عدل، مساوات، اخوت اور آزادی کے اصول تسلیم کر لیں گے؟ آپ اپنے آپ سے یہ سوال کیجئے اور آپ کو یقیناً جواب ملے گا "نہیں"۔ اب آیئے اس ناقابل تردید حقیقت کو دلائل سے مؤکد کریں۔

پہلی دلیل : تاریخ انسانی میں کوئی ایک مثال بھی ایسی موجود نہیں جس سے ثابت ہو کہ

دعوت اور صرف دعوت کے ذریعے کسی خطۂ ارضی پر انقلاب برپا ہو گیا ہو۔ اللہ کے رسولوں سے بڑھ کر کس کی دعوت و تبلیغ مؤثر ہو سکتی ہے۔ قرآن حکیم اس بات پر گواہ ہے کہ ہر رسول پر اقامت دین کے لئے جدوجہد فرض تھی (سورۂ شوریٰ آیت ۱۸) اور ہر رسول نے اس کے لئے دعوت دی' لیکن آنحضور ﷺ سے قبل کسی ایک رسول کی دعوت سے بھی انقلاب برپا نہیں ہوا بلکہ حالات ناموافق اور ناسازگار ہی ہوتے چلے گئے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کم و بیش ۹۵۰ برس تک دعوت دی لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ

"وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ"

"اور ان کے ساتھ ایمان نہیں لائے مگر تھوڑے" (ہود : ۴۰)

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ سے شکوہ کیا :

"رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًاo فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًاo"

"اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات اور دن دعوت دی لیکن میری دعوت نے ان میں سوائے بھاگنے کے کسی اور چیز کو زیادہ نہ کیا۔" (سورۂ نوح' آیات : ۵-۶)

پھر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے حق میں بد دعا کی :

"رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًاo اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًاo"

"اے میرے رب تو زمین پر کافروں کا ایک بستا ہوا گھر نہ چھوڑ اگر تو ان کو چھوڑ دے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور وہ نہ جنیں گے مگر فاجر اور کافر۔"

(سورۂ نوح' آیات : ۲۶-۲۷)

آخر کار حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ سے فریاد کی :

"اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْo"

"میں مغلوب ہوا چاہتا ہوں (اے میرے رب) سو تو بدلہ لے۔"

(سورۂ قمر' آیت : ۱۰)

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا نتیجہ یہ نکلا کہ قوم نے فیصلہ کیا کہ :

"حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْا اٰلِهَتَكُمْ"

"اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔" (سورۂ انبیاء، آیت : ۶۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا ایک رخ آل فرعون کی طرف تھا اور دوسرا بنی اسرائیل کی طرف۔ آل فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں ایسا طرز عمل اختیار کیا کہ حضرت موسیٰ کو بددعا کرنی پڑی کہ :

"رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ○"

"اے ہمارے رب مٹا دے ان کے مال اور سخت کر دے ان کے دل کہ وہ ایمان نہ لائیں، یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں"۔ (سورہ یونس، آیت : ۸۸)

غور کریں کہ نبی تو شدید خواہش رکھتا ہے کہ لوگ ایمان لائیں، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے آل فرعون کے لئے ایمان نہ لانے کی درخواست کر رہے ہیں۔ اسی طرح بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کی دعوت کے جواب میں ایسی پیٹھ دکھائی کہ انہیں فریاد کرنی پڑی :

"رَبِّ اِنِّىْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ○"

"اے میرے رب میں اختیار نہیں رکھتا سوائے اپنی جان اور اپنے بھائی کے۔ پس تو جدائی ڈال دے ہمارے اور اس فاسق قوم کے درمیان"۔ (سورۂ مائدہ، آیت : ۲۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا نتیجہ یہ نکلا کہ قوم نے انہیں جادوگر یعنی مرتد قرار دے کر اپنے تئیں سولی پر لٹکا دیا۔

حضور اکرم ﷺ کی دعوت کے رد عمل میں دس برس بعد آپ ﷺ کو شہید کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا (سورۂ انفال، آیت ۳۰) اور آپ کو مکہ میں تین برس تک ایک مشرک مطعم بن عدی کی پناہ میں رہنا پڑا۔ (الرحیق المختوم صفحہ ۲۲۳۔۲۲۴)

عام طور پر مثال دی جاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر لاکھوں کی تعداد میں بنی اسرائیل، حضرت یونس علیہ السلام پر ان کی قوم کے ایک لاکھ سے زائد افراد اور نبی کریم

ﷺ پر اہلِ مدینہ صرف دعوت کے نتیجہ میں ایمان لے آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے من حیث القوم فرعون کے خوف کی وجہ سے حضرت موسیٰؑ کا ساتھ دیا تھا۔ اور دعوتِ ایمانی ان کے دلوں میں گھر نہ کر سکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی انہوں نے دریا پار کیا اور فرعون سے نجات حاصل کی تو حضرت موسیٰ سے درخواست کی کہ ہمارے لئے بھی ایک پتھر کا معبود مقرر کر دیا جائے۔ (سورۂ اعراف آیات ۱۳۸۔۱۳۹)۔ پھر صحرائے سینا میں بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور شرارتوں کا نقشہ سورۂ بقرہ رکوع ۵ تا ۱۴ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح قوم یونس کے مایوس کن طرزِ عمل کی وجہ سے حضرت یونس اس کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ان کی قوم تو عذابِ الٰہی کے آثار دیکھ کر ایمان لائی۔ اہل مدینہ بھی ابتداء میں یہود کے خوف اور باہمی جنگ و جدال سے نجات کے لئے حضور ﷺ کو ایک ثالث بالخیر سمجھ کر ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ (الرحیق المختوم صفحہ ۲۳۴۔۲۳۵) ورنہ حضور اکرم ﷺ نے تو مدینہ میں ہجرت سے قبل ایک دن بھی دعوت کا کام نہیں کیا۔

اب تک جتنی مثالیں دی گئی ہیں وہ انبیاء کرام کی تھیں۔ لیکن جب ہم ماضی قریب کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ تین بڑے بڑے انقلاب دنیا کے مختلف حصوں میں آئے' یعنی انقلاب روس' انقلاب فرانس اور انقلاب ایران۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی انقلاب دعوت اور محض دعوت کے ذریعے نہیں آیا بلکہ جان و مال کی قربانیوں کے نتیجے میں برپا ہوا۔

<u>دوسری دلیل</u> : محض دعوت کے ذریعے عوام اور بالخصوص معاشرے کے مظلوم طبقات تو انقلابی جدوجہد میں شرکت کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں لیکن معاشرے کے اصل کرتا دھرتا عناصر کی اکثریت' جن کے ہاتھ میں باطل نظام کی زمام کار ہوا کرتی ہے اور جن کے مفادات اس نظام سے وابستہ ہوتے ہیں' دعوت قبول نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں جہاں جہاں رسولوں کا اپنی قوم کے ساتھ بحث و مباحثہ بیان کیا گیا وہاں قوم کی طرف سے اس کے سرداروں ہی کی بڑھ چڑھ کر مخالفت کا تذکرہ ہے۔ ایسی صورت میں جب کہ نظام کو چلانے والے ہی نہ مانیں محض دعوت سے انقلاب کیوں کر ممکن ہے۔

تیسری دلیل : اس دور میں ہم ایک ایسے ملک میں انقلاب لانا چاہتے ہیں جہاں مستحکم ریاست قائم ہے۔ ایک مستحکم ریاست میں محض دعوت کے ذریعے نظام کی تبدیلی ناممکنات میں سے ہے۔ مکے میں حضور اکرم ﷺ کے مشن کا پایہ تکمیل کو نہ پہنچنا اس وجہ سے تھا کہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں صرف مکہ ہی میں ایک قدرے مستحکم ریاست قائم تھی۔ یہ ریاست حضور کی بعثت سے ۱۷۰ برس قبل قصی بن کلاب کی قیادت میں قائم ہوئی۔ "دار الندوہ" کو اس ریاست کی پارلیمنٹ کا درجہ حاصل تھا جہاں قبیلہ قریش کے مختلف خاندانوں کے سردار بڑے بڑے مسائل کا حل طے کرتے تھے۔ پھر سفارت، مالیات، عدالت، ایسار (فال گیری) اور حج سے متعلق مختلف امور کے شعبے بھی قائم تھے جن کی ذمہ داریاں قریش کے مختلف خاندانوں کے سپرد تھیں۔ (الرحیق المختوم صفحہ ۶۳۔ ۶۴ اور ۶۹)۔ اس کے برعکس مدینہ میں دو عرب اور تین یہودی قبائل آباد تھے۔ یہاں کوئی اجتماعی نظام حکومت قائم ہی نہ تھا بلکہ باہمی انتشار پوری طرح سے نمایاں تھا۔ دونوں عرب قبائل کے درمیان "جنگ بعاث" طویل عرصے سے جاری تھی۔ یہود کے درمیان بھی (سورۂ حشر آیت ۱۴ کے مطابق) شدید نفرتیں تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ میں اجتماعی نظام کے خلا کی وجہ سے حضور ﷺ کو اسلامی ریاست کی طرف پیش قدمی کا موقع مل گیا۔

چوتھی دلیل : یہ بات غیر منطقی معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے معاشرہ میں اقامت دین کی منزل صرف اور صرف دعوت کے ذریعہ سے سر کی جائے جبکہ غیر مسلموں کے خلاف ہتھیار تک اٹھائے جائیں۔ سورۂ مائدہ کے ساتویں رکوع میں ایسے لوگوں کو کافر، ظالم اور فاسق کہا گیا ہے جو اللہ کے نازل کردہ کلام کے مطابق فیصلے نہ کریں۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان حکمران اور اس کا ٹولہ حدودِ الٰہی نافذ کرنے پر راضی نہ ہو تو درحقیقت وہ بھی ارتکابِ کفر کر رہا ہے اور اس کے خلاف صرف زبانی کلامی وعظ و نصیحت سے آگے بڑھ کر مظاہروں اور سول نافرمانی کے ذریعے تحریک چلائی جاسکتی ہے اور اس سے آگے بڑھ کر قتال بھی کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ شرائط پوری ہو جائیں جو فقہاء نے مسلمان حکمران کے خلاف خروج کے لئے مقرر کی ہیں۔

پانچویں دلیل : نبی اکرم ﷺ نے مسلسل ۱۳ برس تک مکہ میں دعوت دی لیکن انقلاب نہ آسکا۔ جبکہ مدینہ میں ہجرت سے قبل آپ ؐ نے بنفسِ نفیس ایک روز بھی دعوت نہ دی لیکن دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ وہاں آپ کے قدم افروز ہونے سے پہلے ہی انقلاب آ گیا۔ اس کا نتیجہ تو یہ نکلا کہ "منہجِ انقلابِ نبوی" کا کوئی ایک بھی مرحلہ نہیں یا دوسرے الفاظ میں آپ ؐ کی سیرت سے انقلاب برپا کرنے کا کوئی منہج اخذ نہیں کیا جا سکتا اور انقلاب تو خود بخود ہی آ جایا کرتے ہیں۔

چھٹی دلیل : اس سلسلے کی آخری لیکن اہم ترین دلیل سورۂ حدید کی آیت نمبر ۲۵ ہے جس میں اللہ نے واضح فرمادیا کہ عادلانہ نظام محض وعظ و نصیحت سے قائم نہیں کیا جا سکتا۔

"لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝"

"ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں اور تعلیمات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل اجتماعی کی ضمانت دینے والی شریعت) نازل کی تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا بھی اتارا جس میں جنگ کی شدید صلاحیت ہے اور لوگوں کے لئے دوسرے فائدے بھی ہیں تاکہ اللہ دیکھے کون ہیں وہ (اس کے وفادار بندے) جو غیب میں ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے"۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں کہ :

"کلام کا مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو قیامِ عدل کی محض ایک اسکیم پیش کرنے کے لئے مبعوث نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ بات بھی ان مشن کے میں شامل تھی کہ اس کو عملاً نافذ کرنے کی کوشش کی جائے اور وہ قوت فراہم کی جائے جس سے فی الواقع عدل قائم ہو سکے۔" (تفہیم القرآن جلد ۵، صفحہ ۳۲۲)

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ :

"جب رسولوں کی بعثت اور کتاب و شریعت کے نازل کرنے سے اصل مقصود قیامِ قسط

ہوا تو یہ کام مجرد وعظ و تذکیر اور انذار و تبشیر سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے طاقت کی بھی ضرورت ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو رسولوں کو بیّنات یعنی نہایت واضح دلائل کے ساتھ اور کتابوں کو میزان اور کسوٹی بنا کر بھیجا تا کہ لوگوں پر عقلی و اخلاقی پہلو سے اچھی طرح حجت قائم ہو جائے' دوسری طرف لوہا بھی اتارا کہ جو لوگ اتمامِ حجت کے بعد بھی حق کے آگے جھکنے پر تیار نہ ہوں اور اپنے اغراض کے لئے خدا کی زمین میں فساد برپا کرنے ہی پر تلے ہوں ان کو طاقت کے ذریعے سے زیر کیا جائے"۔ (تدبر قرآن' جلد ۸' صفحہ ۲۳۰)

دوسرا اعتراض

"اسلام میں بیعتِ سمع و طاعت صرف اربابِ اقتدار ہی کے لئے ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں اس بیعت کا مطالبہ اہل یثرب سے اس وقت کیا جب انہوں نے آپ ﷺ کو اپنی بستی کا اقتدار سنبھالنے کی دعوت دی"۔

جواب

اہل یثرب نے حضور اکرم ﷺ کو اللہ کا رسول مانا تھا۔ رسول کی حیثیت و مقام صاحبِ اقتدار کی حیثیت و مقام سے انتہائی ارفع و اعلیٰ ہے۔ البتہ سن ۱۳ نبوی میں انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ پر جو بیعتِ سمع و طاعت کی اور جسے بیعتِ عقبۂ ثانیہ یا بیعتِ حرب کہا جاتا ہے' اس کے الفاظ اور پس منظر سے کہیں ظاہر نہیں ہوتا کہ اہل یثرب نے حضور ﷺ کو یثرب کا حکمران تسلیم کیا تھا۔ اس سلسلے میں درج ذیل نکات قابل غور ہیں۔

پہلی دلیل : مولانا صفی الرحمان مبارک پوری کی معرکتہ الآراء تصنیف الرحیق المختوم میں بیعتِ عقبہ ثانیہ کی آخری شق درج ذیل الفاظ کے ساتھ نقل کی گئی ہے :

> "رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی تلاوت' اللہ کی طرف دعوت اور اسلام کی ترغیب دینے کے بعد فرمایا : میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم اس چیز سے سے میری حفاظت کرو گے جس سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔ اس پر حضرت براء بن

معرور رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور کہا ہاں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، ہم یقیناً اس چیز سے آپ کی حفاظت کریں گے جس سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ لہٰذا اے اللہ کے رسول آپ ہم سے بیعت لیجئے۔ ہم خدا کی قسم جنگ کے بیٹے ہیں اور ہتھیار ہمارا کھلونا ہے۔ ہماری یہی ریت باپ دادا سے چلی آرہی ہے"۔ (الرحیق المختوم صفحہ ۲۵۵)

مندرجہ بالا شق ظاہر کرتی ہے کہ اہل یثرب نے حضور ﷺ کی حفاظت کا عہد ایک حکمران کی حیثیت سے نہیں بلکہ پناہ گزین کی حیثیت سے کیا تھا۔ اس بات کو مزید تقویت اس مشاورت سے ہوتی ہے جو آپ ﷺ نے بدر سے قبل صحابہ کرام سے کی تھی۔ الرحیق المختوم صفحہ ۳۴۴ پر اس مشاورت کا درج ذیل حصہ قابل غور ہے:

".....دراں حالیکہ بیعت عقبہ کی رو سے ان (انصار) پر لازم نہ تھا کہ مدینے سے باہر نکل کر جنگ کریں۔ اس لئے آپ نے مذکورہ تینوں (مہاجر) حضرات کی باتیں سننے کے بعد پھر فرمایا! "لوگو! مجھے مشورہ دو"۔ مقصود انصار تھے اور یہ بات انصار کے کمانڈر اور علمبردار حضرت سعد بن معاذ نے بھانپ لی۔ چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ بخدا! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اے اللہ کے رسول آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے کہا: ہم تو آپ پر ایمان لائے ہیں، آپ کی تصدیق کی ہے اور یہ گواہی دی ہے کہ آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں سب حق ہے اور اس پر ہم نے آپ کو اپنی سمع و طاعت کا عہد و میثاق دیا ہے، لہٰذا اے اللہ کے رسول! آپ کا جو ارادہ ہے اس کے لئے پیش قدمی فرمایئے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ہمیں ساتھ لے کر اس سمندر میں کودنا چاہیں تو ہم اس میں بھی آپ کے ساتھ کود پڑیں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں قطعاً کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ کل آپ ہمارے ساتھ دشمن سے ٹکرا جائیں۔ ہم جنگ میں پامرد اور لڑنے میں جوانمرد ہیں اور ممکن ہے اللہ آپ کو ہمارا وہ جوہر دکھلائے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ پس آپ ہمیں ہمراہ لے کر چلیں۔ اللہ برکت دے"۔

مندرجہ بالا الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ اہل یثرب کی مدد رضاکارانہ تعاون کی سی تھی نہ کہ حکومت کے تحت ایک فوجی ڈسپلن کی۔

دوسری دلیل : جس وقت اہل یثرب میں سے ۷۲ نفوس قدسیہ نے حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اس وقت یثرب کی اکثریت بشمول مجوّزہ بادشاہ عبداللہ بن اُبَی اس سے بے خبر تھی۔ الرحیق المختوم میں صفحہ ۲۶۰ پر قریش کی اہل یثرب سے بیعتِ عقبۂ ثانیہ سے متعلق یہ گفتگو درج ہے :

> "خزرج کے لوگو! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ اس صاحب کو ہمارے درمیان سے نکال لے جانے کے لئے آئے ہیں اور ہم سے جنگ کرنے کے لئے اس کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں حالانکہ کوئی عرب قبیلہ ایسا نہیں جس سے جنگ کرنا ہمارے لئے اتنا زیادہ ناگوار ہو جتنا آپ حضرات سے ہے"۔

لیکن چونکہ مشرکین خزرج اس بیعت کے بارے میں سرے سے کچھ جانتے ہی نہ تھے کیونکہ یہ مکمل رازداری کے ساتھ رات کی تاریکی میں زیر عمل آئی تھی اس لئے ان مشرکین نے اللہ کی قسم کھا کھا کر یقین دلایا کہ ایسا کچھ ہوا ہی نہیں ہے' ہم اس طرح کی کوئی بات سرے سے جانتے ہی نہیں۔ بالآخر یہ وفد عبداللہ بن ابی ابن سلول کے پاس پہنچا۔ وہ بھی کہنے لگا : یہ باطل ہے۔ ایسا نہیں ہوا ہے' اور یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ میری قوم مجھے چھوڑ کر اس طرح کا کام کر ڈالے۔ اگر میں یثرب میں ہوتا تو بھی مجھ سے مشورہ کئے بغیر میری قوم ایسا نہ کرتی۔ باقی رہے مسلمان تو انہوں نے کنکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور چپ سادھ لی۔ ان میں سے کسی نے ہاں یا نہیں کے ساتھ زبان ہی نہیں کھولی۔ آخر رؤساءِ قریش کا رجحان یہ رہا کہ مشرکین کی بات سچ ہے' اس لئے وہ نامراد واپس چلے گئے"۔

غور کیجئے کیا یہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ کسی کو اپنے شہر کا حاکم کر لیں جبکہ اس شہر کی اکثریت کو اس کا علم ہی نہ ہو؟

بیعتِ سمع وطاعت قرآن و سُنّت کی روشنی میں

اب آیئے ہم ان اصولی دلائل پر غور کریں جو ہمیں بیعت سمع وطاعت کے بارے میں قرآن وسنت' احادیث و آثارِ صحابہ' عقل ومنطق اور عملی تجربات سے حاصل ہوتے ہیں :

پہلی دلیل : سورۂ تغابن آیت نمبر ۱۶ میں اہل ایمان سے خطاب کرتے ہوئے اللہ نے

ارشاد فرمایا : وَاسْمَعُوا وَاَطِيعُوا "اور سنو اور اطاعت کرو"۔

مندرجہ بالا حکم ہر مسلمان اور ہر دور کے لئے ہے اور اسے کسی بھی اصول کے تحت صرف ان لوگوں کے لئے خاص نہیں کیا جا سکتا جنہیں حضور ﷺ کی معیت بنفس نفیس حاصل تھی۔ اسی طرح سورۂ لقمان آیت نمبر ۱۵ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو وصیت کی کہ "وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ" "اس کے راستے کی پیروی کرو جو رجوع ہوا میری طرف"۔ اہل علم اس بات سے واقف ہیں کہ اتباع کا درجہ اطاعت سے بڑھ کر ہے۔ اس آیت میں ایسے شخص کی اطاعت ہی نہیں بلکہ اس کے راستے کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے جس کے خلوص و اخلاص اور تقویٰ و تدین پر اعتماد کیا جا سکتا ہو۔ بیعتِ سمع و طاعت فی المعروف کے ذریعے در حقیقت ایک مخلص شخص کی ان امور میں پیروی کرنے کا عہد کیا جاتا ہے جو شریعت کے دائرے سے باہر نہ ہوں۔

دوسری دلیل : بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضور ﷺ کی بیعت ایک حکمران کی حیثیت سے کی گئی تھی، لیکن قرآن حکیم نے تو آپ کے مقرر کردہ امیر کی بھی اطاعت کو لازم کر دیا۔ سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۵۲ میں غزوۂ احد کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا :

"وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ"

"اور اللہ نے تو اپنا (فتح کا) وعدہ سچ کر دکھایا یہاں تک کہ تم ڈھیلے پڑ گئے اور تم نے معاملات میں جھگڑا کیا اور نافرمانی کی"۔

مندرجہ بالا آیت میں جس نافرمانی کا ذکر ہے وہ دراصل حضور ﷺ کے مقرر کردہ امیر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی ہے نہ کہ حضور اکرم ﷺ کی۔ خود حضورؐ کا ارشاد مبارک ہے کہ :

"مَن اطاع امیری فقد اطاعنی ومَن عصٰی امیری فقد عصَانی"

"جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے

میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"۔

تیسری دلیل : حضور اکرم ﷺ نے اپنے بعض ارشادات کے ذریعہ سے بیعت سمع و طاعت کو ہمیشہ کے لئے لازم فرمادیا ہے۔ مثلاً :

"لااسلامَ الا بالجَماعةِ وَلا جماعةَ الا بِالسّماعه ولا سماعةَ الابالطاعة"

"اسلام ہے ہی نہیں بغیر جماعت کے اور جماعت ہے ہی نہیں بغیر سماعت کے اور سماعت ہے ہی نہیں بغیر اطاعت کے"۔ (مشکوٰۃ، عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ)

"آمُرُکم بخمسٍ : بِالجَماعةِ وَالسّمعِ وَالطّاعةِ والهجرة والجهاد فی سبیل اللّٰه"

"میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں: جماعت کا، سننے کا، اطاعت کا، ہجرت کا، اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا"۔ (الترمذی، عن الحارث الاشعری)

"مَن خلع یدًا مِن طاعةٍ لقی اللّٰهُ یومَ القیامةِ ولاحجةَ له ومَن مات ولیس فی عنقه بیعةٌ مات میتةً جاهلیةً"

"جس کسی نے اطاعت سے ہاتھ کھینچا وہ روز قیامت اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی عذر نہ ہو گا اور جو مرا اس حال میں کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا"۔

مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیعت سمع و طاعت کا التزام کرے۔ اگر اسلامی حکومت قائم ہے تو یہ بیعت خلیفۂ وقت کے ہاتھ پر ہو گی اور الجماعة سے مراد وہ تمام مسلمان ہوں گے جنہوں نے خلیفہ وقت سے بیعت کی ہو گی۔ البتہ اگر اسلامی حکومت قائم نہ ہو تو الجماعة کا وجود ہی نہیں اور ایسی صورت میں ضروری ہے کہ اسلامی حکومت کے قیام کے لئے کسی پر خلوص اور صاحبِ تقویٰ شخص کے ہاتھ پر بیعت سمع و طاعت فی المعروف کرکے ایک اجتماعی قوت فراہم کی جائے۔

چوتھی دلیل : دین اسلام کا پورا مزاج ہی ایسی اجتماعیت کی تشکیل ہے جس کی بنیاد سمع و طاعت پر ہو۔ مثلاً مسلمانوں پر نماز جماعت کے ساتھ فرض ہے اور باجماعت نماز میں امام کی

آواز پر حرکت کرنا ضروری ہے۔ امام سے کسی عمل میں تقدیم کرنے والے کی نماز فاسد ہے۔ اسی طرح اگر امام غلطی کرے تو اس کو متوجہ تو کیا جاسکتا ہے لیکن اگر وہ متوجہ نہ ہو تو بھی اس کی پیروی لازم ہے۔

پانچویں دلیل : امتِ مسلمہ کی تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اجتماعیت کی بنیاد ہمیشہ بیعت پر ہی رہی ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا شمار صغارِ صحابہ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے حکومتِ وقت کے خلاف خروج کی بنیاد بیعت پر رکھی۔ ان کے بعد دورِ بنی امیہ اور بنی عباس میں حکومت وقت کے خلاف تمام تحریکیں بیعت ہی کی اساس پر تھیں۔ بعد ازاں، سوڈان میں مہدی سوڈانی، طرابلس میں سنوسی، سعودی عرب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور مصر میں حسن البنا کی تحریکیں اسی بنیاد پر تھیں۔ برعظیم پاک و ہند میں سید احمد شہیدؒ نے بھی بیعتِ سمع و طاعت کی بنیاد پر تحریک چلائی جسے شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے صاحب زادے شاہ عبدالعزیزؒ کی سرپرستی حاصل تھی۔ مزید برآں، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحئیؒ جیسے صاحبانِ علم نے بھی سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بعد ازاں، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا معین الدین اجمیری نے بھی بیعت کو ہی اجتماعیت کی بنیاد بنایا۔ ان تمام بزرگوں نے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، حکمران کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک جماعت کے امیر کی حیثیت سے بیعت کا نظام اختیار کیا۔

چھٹی دلیل : یہ حقیقت مسلّم ہے کہ دنیا میں کوئی بھی بڑا کام بغیر جماعت کے نہیں ہو سکتا۔ بعض حضرات اپنی تحریر میں ایک طرف تو یہ لکھتے ہیں کہ انقلاب صرف اور صرف دعوت سے آسکتا ہے لیکن اسی تحریر میں اقامتِ دین کی جدوجہد کے لئے ایک ایسی جماعت کے قیام کی ضرورت پر زور دیتے ہیں جو اخوت و محبت، شورائیت اور ایک دستور کی بنیاد پر ہو اور یہ کہ عوام کی اکثریت کو متاثر کئے بغیر اگلا قدم نہ اٹھایا جائے۔ گویا ایسے حضرات "منہجِ انقلابِ نبوی" میں دعوت کے ساتھ ساتھ جماعت کے قیام کے مرحلہ کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور اگلے مرحلے کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ جب جماعت کا قیام انقلاب لانے کے لئے ضروری ہی ٹھہرا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے لئے ہیئت کیا ہو؟ آیا یہ مغرب سے

در آمد شدہ دستوری' قانونی اور جمہوری طرز کی ہو یا بیعت کے اصول پر مبنی ہو جو قرآن و حدیث' سنت نبوی' اور اسلاف کی روایات کے مطابق ہے۔ یقیناً ہماری رائے بیعت پر مبنی ہیئت تنظیم ہی کے حق میں ہوگی۔

ساتویں دلیل : عملی طور پر جب ہم کسی بھی ادارے کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ہر جگہ نظم کے لئے سمع و طاعت ہی کا اصول نظر آتا ہے۔ گھر کے ادارے میں آخری فیصلے کا اختیار مرد کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ہر کمپنی میں ایک Managing Director یا کسی اور اصطلاح کا حامل سربراہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں آخری اختیار ہوتا ہے۔ Boss کا فیصلہ درست ہو یا غلط لیکن Boss is always right کا اصول ہر جگہ کار فرما نظر آتا ہے۔ جس ادارے کا کام جتنا زیادہ اہم ہوتا ہے۔ وہاں اس نظم پر زیادہ سختی سے عمل کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ فوج میں سخت نظم کا اصول کار فرما ہے :

Their's not to reason why
Their's but to do and die

ہماری مذہبی اور سیاسی جماعتیں خواہ کتنا ہی جمہوریت کا راگ الاپیں لیکن کسی ایک جماعت میں بھی یہ جمہوریت نظر نہیں آتی۔ بعض اوقات یہ جماعتیں اخوت و مساوات کی بنیاد پر متحدہ محاذ بناتی ہیں لیکن ان محاذوں کا انجام سب کے سامنے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جمہوری اصول اداروں میں گروپ بندی اور انتشار پیدا کرتا ہے اور صرف سمع و طاعت کا اصول ہی قابل عمل اور مثبت پیش رفت کا ضامن ہے۔

ایک ضمنی اعتراض اور اس کا ازالہ :

مکی دور میں نبی کریم ﷺ نے اہل مکہ سے تو بیعت سمع و طاعت نہ لی لیکن اہل یثرب سے ایسی بیعت لی۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ مکہ میں آپ ﷺ بنفس نفیس موجود تھے اور درمیان میں نظم کے سلسلے کا کوئی اور Link موجود نہیں تھا لہٰذا اہل مکہ نبی اور امتی کے رشتے کے حوالے سے آپ کی اطاعت کے پابند تھے۔ اس کے برعکس اہل یثرب کے لئے آپ نے نقباء کا تقرر فرمایا تھا جو آپ کے اور دیگر مسلمانوں

کے درمیان ایک Link کی حیثیت رکھتے تھے۔ مدینے میں مسلمانوں کو در حقیقت ان نقباء کی اطاعت کرنی تھی۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اہل یثرب سے سمع وطاعت کی بیعت لی۔ ڈاکٹر صاحب کی اس توجیہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ سن ۶ نبوی میں حبشہ سے بھی کچھ لوگ آکر مسلمان ہوئے تھے' پھر آپ نے ان سے بیعت کیوں نہ لی؟ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ۱۰ برس تک مکے ہی کو اپنی دعوت کا محور و مرکز بنائے رکھا۔ البتہ ۱۰ نبوی کے بعد اہل مکہ کی اکثریت کے مایوس کن رویہ کی وجہ سے آپ ؐ نے دوسرے شہروں کی طرف توجہ کی۔ اسی سال میں آپ ؐ طائف تشریف لے گئے لیکن اہل طائف نے آپ ﷺ کے ساتھ انتہائی افسوس ناک سلوک کیا۔ اسی دوران سورۂ انعام کا نزول ہوا اور اسکی آیت نمبر ۸۹ میں اللہ نے آپ کو خوشخبری دی کہ :

"فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝"

"پس اگر یہ (مکہ والے) ان باتوں کا انکار کریں تو ہم نے ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں جو ان کا انکار نہیں کریں گے۔"

اہل یثرب نے مسلسل تین برس حضور کی خدمت میں اضافی تعداد کے ساتھ حاضر ہو کر ثابت کیا کہ وہ حضور کی دعوت قبول کرنے میں سنجیدہ ہیں۔ اسی لئے حضور نے تیسرے برس ان سے بیعت سمع وطاعت لی۔

تیسرا اعتراض :

"ہجرت کے ساتھ ہی یثرب کا سیاسی اقتدار نبی اکرم ﷺ کو حاصل ہو گیا' اسلامی ریاست قائم ہو گئی اور اسلامی انقلاب برپا ہو گیا۔"

جواب :

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یثرب میں پہلے سے کوئی مرکزی حکومت قائم نہ تھی اور یہاں آباد پانچوں قبائل اپنے اپنے اصولوں کے مطابق اپنے معاملات چلا رہے تھے۔

اسی لئے حضور ﷺ کو یہاں اسلامی ریاست کے لئے ایک مرکز یعنی Base فراہم ہو گیا۔ بعض مصنفین نے ہجرت کے بعد مدینہ کے لئے مجازاً "اسلامی ریاست" کے الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن کسی ایک نے بھی یہ نہیں لکھا کہ ہجرت کے ساتھ ہی نبی کریم ﷺ کے مقصدِ بعثت کی تکمیل ہو گئی تھی یعنی نظامِ عدلِ اجتماعی قائم ہو گیا تھا۔ در حقیقت ہجرت کے فوراً بعد نبی کریم ﷺ کو یثرب کی جغرافیائی حدود پر اقتدار حاصل نہ ہوا تھا بلکہ اوس اور خزرج کی ایک قابلِ ذکر تعداد نے آپؐ کو حاکم بلکہ اس سے آگے بڑھ کر رسول اور مطاعِ مطلق مان لیا تھا۔ تاہم مدینے ہی میں بسنے والے بعض مشرکین اور یہود آپؐ کو حاکم تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اس سلسلے میں دلائل حسبِ ذیل ہیں :

<u>پہلی دلیل</u> : سن ۳ ہجری میں غزوۂ احد سے قبل عبداللہ بن اُبَیّ اور اس کے تین سو ساتھی عین اس وقت میدانِ جنگ سے واپس ہوئے جبکہ مسلمان کفار کے لشکر کے بالکل سامنے آ چکے تھے۔ سورۂ آل عمران کی آیات ۱۶۶۔ ۱۶۸ میں اللہ نے ان منافقین پر شدید غصہ کا اظہار کیا ہے۔ اگر اس وقت واقعتاً کوئی حکومت قائم ہوتی تو ایسے لوگوں کو سخت ترین سزا دی جاتی اور آج کی اصطلاح میں ان کا کورٹ مارشل ہوتا۔ لیکن حضور ﷺ نے ان لوگوں کا نہ محاسبہ کیا اور نہ ہی سزا دی۔ اسی طرح سن ۶ ہجری میں باوجود تاکید کے منافقین حضور ﷺ کے ساتھ عمرے کے لئے نہیں نکلے۔ سورۂ فتح میں منافقین کے اس طرزِ عمل کی مذمت کی گئی لیکن انہیں بھی کوئی سزا نہیں دی گئی۔ اس کے برعکس سن ۹ ہجری میں یعنی فتح کے بعد جو لوگ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے ان کا محاسبہ کیا گیا۔ ان میں سے منافقین پر سورۂ توبہ میں لعن طعن کی گئی اور سزا کے طور پر ان کی مسجد کو ڈھا دیا گیا' ان کی غزوات میں شرکت پر پابندی لگا دی گئی' ان کے صدقات قبول کرنے سے انکار کر دیا گیا اور ایک موقع پر حضور ﷺ نے نام لے لے کر بعض منافقین کو مسجدِ نبوی سے باہر نکال دیا۔ اسی طرح تین صادق الایمان صحابہؓ کو پچاس روز تک معاشرتی انقطاع کی سزا دی گئی۔ وجہ اس کی صاف ظاہر ہے کہ فتح مکہ سے قبل ریاست قائم نہ تھی اور حضور کے ساتھ مہمات میں شرکت رضاکارانہ تھی۔ فتح مکہ کے بعد باقاعدہ اسلامی ریاست قائم ہو گئی اور حکم عدولی کرنے والوں کو سزا دی گئی۔

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ غزوات میں شرکت نہ کرنے کے جرم پر کوئی حد نہیں لگائی جاسکتی، حالانکہ سابق مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع رحمتہ اللہ علیہ سورۂ توبہ میں تین صادق الایمان صحابہ کو ملنے والی سزا کے حوالے سے لکھتے ہیں :

"کسی گناہ کی سزا میں مسلمانوں کے امیر کو یہ حق بھی ہے کہ کسی شخص سے سلام و کلام قطع کر دینے کا حکم دے جیسے کہ اس واقعہ میں ان تین بزرگوں کے متعلق پیش آیا۔"
(معارف القرآن جلد ۴، صفحہ نمبر ۴۸۷)

اسی طرح یہ بھی کہا گیا کہ فتح مکہ سے قبل جن لوگوں نے غزوات میں شرکت نہ کی یا پیٹھ دکھائی ان کو محض مصلحت کی وجہ سے سزا نہ دی گئی۔ غور کیجئے مصلحت سے کام تو اسی وقت لیا جاتا ہے جب کہ کلی اختیار حاصل نہ ہو۔ مکی دور میں صبر محض کا مرحلہ، مدینے آکر یہود سے میثاق مدینہ کی طرز کا معاہدہ اور سن ۶ ہجری میں مشرکین مکہ کے ساتھ صلح حدیبیہ مصلحت ہی کی بناء پر تھیں ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ بقول اقبال ؏

باطل دوئی پسند ہے، حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول!

<u>دوسری دلیل</u> : ہجرت کے ۵ یا ۶ سال بعد تک صورت حال یہ تھی کہ بعض ایمان کے دعویدار اپنے فیصلے بجائے حضور سے کروانے کے یہود کی عدالتوں سے کرواتے تھے۔ سورۂ نساء، جس کا زمانہ نزول سن ۵ ہجری ہے، میں بیان کیا گیا :

"اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝"

"کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس پر جو آپ کی طرف نازل ہوا اور جو آپ سے پہلے نازل ہوا، چاہتے یہ ہیں کہ فیصلے کرائیں

طاغوت سے حالانکہ انہیں حکم دیا گیا کہ اس (طاغوت) کا انکار کر دیں۔ اور شیطان یہ چاہتا ہے کہ ان کو دور کی گمراہی میں مبتلا کر دے۔ اور جب بھی ان سے کہا گیا کہ آؤ اس کلام کی طرف جو اللہ نے نازل کیا اور رسول کی طرف تو اے نبی آپ نے دیکھا کہ منافقین آپ کی طرف آنے سے رکتے ہیں"۔

غور کیجئے کیا کوئی ایسی بھی اسلامی حکومت ہو سکتی ہے جو اپنی حدود میں مسلمانوں کو اختیار دے کہ اپنے فیصلے اللہ کے رسول سے کروائیں یا غیر مسلموں سے۔ بلاشبہ اسلام نے غیر مسلموں کو حق دیا ہے کہ وہ اپنے عائلی معاملات اپنی ہی عدالتوں میں طے کریں لیکن کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ فیصلے غیر مسلموں سے کروائے۔ صورت حال بالکل واضح ہے کہ ہجرت کے بعد فتح مکہ تک مدینے میں معاملہ رضاکارانہ تھا یعنی جو چاہے فیصلہ حضور سے کروائے اور جو چاہے یہود سے۔ اسی طرح یہود بعض اوقات اپنے مقدمات حضور کی عدالت میں لاتے لیکن پہلے سے طے کر لیتے کہ اگر فیصلہ ان کی منشاء کے مطابق ہوا تو تسلیم کریں گے ورنہ نہیں (سورہ مائدہ آیت نمبر ۴۱) اسی وجہ سے حضور ﷺ کو سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۴۶ میں منع کر دیا گیا کہ آپ یہود کے مقدمات سماعت کے لئے قبول نہ کریں۔ سوچئے کیا کوئی ایسا بھی حاکم ہو سکتا ہے جس کی رعایا اس کے فیصلے کو قبول کرے یا رد کر دے اور جو رعایا کے مقدمات سماعت کے لئے قبول ہی نہ کرے۔

<u>تیسری دلیل</u> : سورۂ مائدہ کی آیات نمبر ۵۲' ۵۳ اور ۵۷ میں منافقین کے اس طرز عمل کی اللہ نے مذمت کی ہے کہ وہ یہود سے دوستیاں رکھتے ہیں۔ گویا یہود اور ہیں اور مسلمان اور۔ ایک ہی حاکم کی رعایا اور ایک ہی ریاست کے شہری نہیں ہیں۔

<u>چوتھی دلیل</u> : مدنی قرآن میں مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعیہ کو کہیں بھی حکومت یا ریاست <u>یا</u> اس کی کسی مترادف اصطلاح سے موسوم نہیں کیا گیا۔ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران میں اس کے لئے امت کی اصطلاح آئی ہے جس کا مفہوم ہے ہم مقصد لوگوں کا گروہ۔ سورۂ مائدہ اور سورۂ مجادلہ میں مسلمانوں کو حزب اللہ یعنی اللہ کی پارٹی کہا گیا۔ گویا مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعیہ ایک جماعت کی صورت میں تھی نہ کہ حکومت و ریاست کی شکل میں۔ قرآن حکیم میں حکومت و ریاست کے لئے سلطان' تمکّن اور استخلاف کی اصطلاحات آئی

ہیں۔ البتہ کہیں بھی ان کا استعمال مسلمانوں کی اس ہیئت اجتماعی کے لئے نہیں ہوا جو مدینہ میں فتح مکہ سے قبل تھی۔ آیئے قرآن حکیم میں ان آیات کا جائزہ لیں جن میں یہ اصطلاحات حکومت و ریاست کے معنی میں استعمال ہوئیں ہیں۔

"سلطان" کی اصطلاح سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۸۰ میں آئی ہے جس میں ہجرت کے موقع پر حضور ﷺ کو تلقین کی گئی ہے کہ :

"وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا ۝ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا ۝"

"اور (اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے کہ اے میرے رب مجھے داخل فرما سچا داخل کرنا اور مجھے نکال سچا نکالنا اور مجھے اپنے پاس سے عطا کر مددگار حکومت۔ اور کہہ دیجئے کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل ہے ہی مٹنے والا۔" (بنی اسرائیل ۸۰-۸۱)

مندرجہ بالا آیات کا مفہوم از خود واضح ہے کہ ہجرت کے وقت حضور ﷺ کو تلقین کی جا رہی ہے کہ آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ آپ کو غلبہ و اقتدار عطا فرمائے۔ گویا ابھی غلبہ و اقتدار حاصل نہیں ہوا۔ اگر ہجرت کے ساتھ حضور ﷺ کو غلبہ و اقتدار حاصل ہو گیا ہوتا تو بجائے دعا کے، شکر کی تلقین کی جاتی، جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اختیار کے حصول پر اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔ (سورۂ یوسف آیت ۱۰۱)۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۸۰ کی تفسیر میں شاہ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ موضح القرآن میں لکھتے ہیں :

"یعنی اس شہر سے نکال آبرو سے اور کسی جگہ داخل کر آبرو سے۔ وہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ میں داخل کیا اور وہاں کے لوگ حکم میں دیئے جس سے دین کو امداد ہوئی"۔

شاہ صاحب کے الفاظ پر غور فرمایئے 'مدینے کے لوگ حکم میں رہے نہ کہ مدینے کی جغرافیائی حدود۔

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

"اور آپ ﷺ کو ہجرت کی دعا سکھائی گئی اور اب انہی نازک حالات کے اندر حق

کی فتح اور باطل کی شکست کے اعلان کا آپ کو حکم ہوا۔ اس کی وجہ وہی ہے جس کی طرف ہم اس کے محل میں اشارہ کر چکے ہیں کہ ہجرت در حقیقت رسول کی فتح کا "دیباچہ" ہوتی ہے۔ اس کے بعد رسول کے مخالفین لازماً مٹ جاتے ہیں اور حق کا بول بالا ہو کر رہتا ہے"۔

"فتح مکہ کے موقع پر یہ پیش گوئی عملاً پوری ہو گئی۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نیزے کی اَنی سے خانہ کعبہ کے بتوں کو توڑتے جاتے اور یہ آیت پڑھتے جاتے۔ گویا اس آیت کا مصداق منصۂ شہود پر آگیا"۔ (تدبرِ قرآن، جلد ۴، صفحہ ۵۴۲)

نوٹ فرمایئے اصلاحی صاحب نے ہجرت کو فتح کا دیباچہ قرار دیا ہے نہ کہ مکمل فتح اور غلبہ دین کی تکمیل۔

مولانا مودودیؒ مذکورہ آیات کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں:

"یہ اعلان اس وقت کیا گیا جب مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد حبش میں پناہ گزین تھی اور باقی مسلمان سخت بے کسی و مظلومی کی حالت میں مکہ اور اطراف مکہ میں زندگی بسر کر رہے تھے اور خود نبی ﷺ کی جان ہر وقت خطرہ میں تھی۔ اس وقت بظاہر باطل ہی کا غلبہ تھا اور غلبۂ حق کے آثار کہیں دور دور تک نظر نہ آتے تھے، مگر اس حالت میں نبی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ تم صاف صاف ان باطل پرستوں کو سنا دو کہ "حق آگیا اور باطل مٹ گیا"۔ ایسے وقت میں یہ عجیب اعلان لوگوں کو زبان کا پھاگ محسوس ہوا اور انہوں نے اسے ٹھٹھوں میں اڑا دیا مگر اس پر نو برس ہی گزرے تھے کہ نبی ﷺ اس شہر مکہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے اور آپؐ نے کعبہ میں جا کر اس باطل کو مٹا دیا جو ۳۶۰ بتوں کی صورت میں وہاں سجا رکھا تھا"۔ (تفہیم القرآن جلد ۲، صفحہ ۶۳۸)

تمکّن کی اصطلاح حکومت کے معنی میں سورۂ حج کی آیت نمبر ۴۱ میں استعمال کی گئی۔ یہ آیت دورانِ سفرِ ہجرت نازل ہوئی۔ اس آیت میں فرمایا گیا "اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ ----" یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار دیں---- گویا ابھی اقتدار عطا نہیں کیا گیا اور گفتگو شرطیہ اسلوب میں کی جا رہی ہے۔

سورۂ نور کی آیت نمبر ۵۵ میں تمکّن کی اصطلاح بھی استعمال ہوئی ہے اور

استخلاف کی بھی۔ اس آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"وَعَدَاللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ' وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ' یَعْبُدُوْنَنِیْ لَایُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْـًٔا ' وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○"

"اللہ نے وعدہ فرمایا تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال کئے کہ انہیں زمین میں لازماً خلافت عطا فرمائے گا جیسے کہ ان سے پہلے لوگوں کو عطا فرمائی اور ان کے اس دین کو لازماً جمادے گا جو اس نے ان کے لئے پسند کیا اور ان کو ڈر کے بدلے میں امن دے گا' وہ میری بندگی کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ اور جو کوئی اس کے بعد ناشکری کرے گا تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں"۔

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے اس آیت کی جو تفسیر کی ہے اس کے یہ الفاظ قابل غور ہیں :

"اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ فتح مکہ کے بعد جس طرح پورا ہوا وہ تاریخ کی ایک ایسی حقیقت ہے جس کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ پورے جزیرۂ عرب کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمادیا کہ "لا یجتمع فیھا دینان" (اس میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے)۔ (تدبر قرآن ج۵' ص ۴۲۷)

مفسرین نے سورۂ نور کا زمانہ نزول ۶ ہجری کا نصف آخر بتایا ہے۔ گویا ہجرت کے ۶ سال بعد اللہ تعالیٰ وعدہ فرمارہا ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ کا حق ادا کرنے والوں کو خلافت اور دین اسلام کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ کیا اب بھی یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ہجرت کے ساتھ ہی اہل ایمان کو اقتدار اور دین اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا؟

<u>پانچویں دلیل</u> : فتح مکہ سے قبل نازل ہونے والے مدنی قرآن میں مسلمانوں کی جماعت میں یہ درجہ بندی برقرار رکھی گئی کہ اصل ارکان جماعت مہاجرین تھے جو مکہ میں حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ تربیت و تزکیہ کے مراحل طے کر چکے تھے اور شدید مصائب جھیل کر اور گھر بار چھوڑ کر اپنے ایمان کا ثبوت فراہم کر چکے تھے جب کہ انصار کی حیثیت معاونین اور پناہ دینے والوں کی تھی (الانفال : ۷۲-۷۴)۔ اسی طرح سورۂ حج کی آیت نمبر ۳۹ میں اذنِ قتال بھی صرف مہاجرین کو دیا گیا۔ البتہ فتح مکہ کے بعد جب معاملہ حکومت کی صورت اختیار کر گیا تو مہاجرین اور انصار کو اسلامی حکومت کے یکساں شہریوں کی حیثیت دے دی گئی۔ (التوبہ : ۱۰۰)

بعض حضرات نے دلیل کے طور پر یہ بات پیش کی ہے کہ نو مسلم انصارِ صحابہ کو مدنی دور کے آغاز میں اسی طرح غزوات میں شرکت سے روک دیا گیا تھا جیسے کہ غزوۂ تبوک کے بعد منافقین کو روکا گیا تھا۔ جب غزوۂ تبوک کے موقع پر اسلامی ریاست قائم تھی تو مدنی دور کے آغاز میں اس کے وجود کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اس قسم کا موازنہ ہرگز درست نہیں۔ غزوۂ تبوک کے بعد منافقین کو بطور سزا غزوات میں شرکت سے روکا گیا جبکہ انصار کے لئے معاملہ رضاکارانہ تھا یعنی چاہیں تو شریک ہوں یا نہ ہوں۔ اس کے باوجود انہوں نے بڑھ چڑھ کر غزوات میں حصہ لیا۔

<u>چھٹی دلیل</u> : جزیرہ نمائے عرب کا مرکز مکہ تھا جسے سورۂ شوریٰ کی آیت ۷ میں "ام القریٰ" کہا گیا۔ یہیں پر جزیرۂ نمائے عرب کی مستحکم ریاست قائم تھی جس کے حکمرانوں کو قرآن نے کفر کے سردار یعنی "ائمۃ الکفر" قرار دیا ہے۔ مکہ ہی میں وہ عظیم ترین گھر واقع تھا جسے اللہ تعالیٰ کی اولین عبادت گاہ کا درجہ حاصل ہوا۔ جب شہر مکہ پر کفر کے سرداروں کا تسلط ہو اور اللہ کا عظیم گھر شرک کا مرکز ہو تو کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں وہ اسلامی انقلاب مکمل ہو چکا تھا جس کی جڑ و بنیاد ہی توحید ہے۔

<u>ساتویں دلیل</u> : رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے حضور اکرم ﷺ کو ذاتی طور پر ایذائیں پہنچائیں (الرحیق المختوم ص ۵۳۰) اور آپ پر بہتان بھی لگائے، بلکہ غزوۂ بدر کے فوراً بعد یہودی قبیلے بنی قینقاع کے معاملے میں اس نے آپؐ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر گستاخی کی اور یہودی قبیلے سے رعایت کے لئے دباؤ ڈالا۔ (الرحیق

المختوم ص ۳۲۰) پھر حضرت عائشہؓ پر بہت بڑی تہمت لگائی جس کی شدید ترین مذمت سورۂ نور میں کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے حضور ﷺ سمیت تمام مہاجر صحابہؓ کو "ذلیل" کہا (منافقون : ۸) اور کئی بار فتنے اٹھانے کی کوشش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باوجود خواہش کے اس شخص کو سزا نہ دے سکے اور مصلحت کا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ اگر آپ کو واقعتاً مدینہ میں بااختیار حاکم کی حیثیت حاصل ہوتی تو کسی مصلحت سے کام لینے کی ضرورت نہ تھی۔

آٹھویں دلیل : اہل مدینہ میں قبول اسلام کے باوجود قبائلی حمیت بڑی شدت کے ساتھ موجود تھی اور بعض اوقات وہ اس کے تحت لڑنے مرنے پر اتر آتے تھے۔ غزوۂ بدر کے بعد ایک یہودی سازش کی وجہ سے اوس اور خزرج میدان حرہ میں ہتھیار لے کر ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عین موقع پر جا کر انہیں جنگ سے منع فرمایا (الرحیق المختوم ص ۳۸۹) غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر عبداللہ بن ابی نے حضرت عائشہؓ کے خلاف فتنہ اٹھایا اور انصار و مہاجرین کو لڑانے کی کوشش کی۔ اس حرکت پر حضورؐ اسے سزا دینا چاہتے تھے لیکن اوس اور خزرج کے سرداروں میں اس معاملہ پر قبائلی حمیت کی وجہ سے ترش کلامی ہوئی اور آپؐ عبداللہ بن ابی کو سزا نہ دے سکے۔ قبائلی حمیت کی یہ مثالیں اس بات کی عکاسی کرتی ہیں کہ ابھی وہ ریاست قائم نہ ہوئی تھی جس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت قبائلی عصبیتوں پر غالب آ گئی ہو۔

نویں دلیل : مدینہ آ کر حضور ﷺ کو یہود سے معاہدہ کرنا پڑا جو کہ میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔ حکومت کبھی رعایا سے معاہدے نہیں کرتی بلکہ ان کے لئے آرڈیننس جاری کرتی ہے۔ اس طرح کا آرڈیننس فتح مکہ کے بعد سورۂ توبہ کی آیت ۲۹ میں جاری کیا گیا جس میں یہودیوں کو اسلامی ریاست میں دوسرے درجے کا شہری قرار دیا گیا۔ میثاقِ مدینہ کی دفعات کا مطالعہ کریں تو محسوس ہوتا ہے کہ دونوں فریقوں نے بالکل برابری کی سطح پر معاہدہ کیا۔ صرف ایک شق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غالب حیثیت تسلیم کر لی گئی کہ باہمی

نزاعات کی صورت میں فیصلہ وہ کریں گے۔ جیسے کہ دوسرے اعتراض کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ تو اجتماعیت کا اصول ہے کہ آخری فیصلے کا اختیار کسی فردواحد کو دینا پڑتا ہے اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ یہود نے یہ اختیار حضورؐ کے لئے اس وجہ سے تسلیم کیا کہ وہ آپؐ کو بحیثیت رسول اس طرح سے پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو (بقرہ : ۱۴۱)۔ انہیں یقین تھا کہ حضور ﷺ کبھی بھی عدل وانصاف سے نہیں ہٹ سکتے۔ لیکن انہوں نے کبھی دل سے آپؐ کو حاکم تسلیم نہیں کیا جس کا ثبوت ان کی عہد شکنیاں اور بے شمار سازشیں ہیں جن کا ذکر سورۂ بقرہ کے رکوع ۵ تا ۱۴ میں کیا گیا ہے۔

دسویں دلیل : یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قیامِ ریاست اور شے ہے اور تکمیلِ انقلاب اور۔ انقلاب کے معنی ہیں انفرادیت سے لے کر اجتماعیت تک مختلف شعبہ ہائے زندگی میں کلی تبدیلی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہجرت کے وقت نہ تو انفرادی زندگی سے متعلق تمام احکامات نازل ہوئے تھے اور نہ ہی اجتماعی زندگی سے متعلق۔ حدود و تعزیرات کے ضمن میں قتل' چوری' ڈاکہ زنی' زنا وغیرہ کی حدود تو ہجرت کے چھ سال بعد سورۂ نساء' مائدہ اور سورۂ نور میں جا کر نازل ہوئیں۔ معاشی میدان میں سود کی حرمت کا حتمی اعلان سن ۹ ہجری میں نازل ہوا۔ معاشرتی لحاظ سے ستر و حجاب اور مساوات انسانی وغیرہ کے بارے میں ہدایات مدنی دور کے وسط میں نازل ہوئیں۔ سیاسی نظام کے بارے میں اصولی ہدایات سورہ حجرات میں سن ۶ ہجری میں عطا کی گئیں۔ احکامات کی عدم موجودگی میں آخر وہ کونسا انقلاب تھا جو ہجرتِ مدینہ کے فوراً بعد برپا ہوا۔

گیارہویں دلیل : حضور اکرم ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مقصد کے لئے مبعوث فرمایا تھا کہ آپ کے ذریعہ سے اپنے دین کو کل نظامِ زندگی پر غالب فرمادے۔ (سورۂ توبہ ۳۳' سورۂ فتح ۲۸' سورۂ صف ۹)۔ ہجرت کے فوراً بعد صورت حال یہ تھی کہ مشرکوں' یہودیوں اور عیسائیوں کے نظام ہائے حیات اپنی اپنی حدود میں پوری طرح سے غالب اور چھائے ہوئے تھے۔ ہجرت کے بعد سے لے کر فتح مکہ تک ان ادیان باطلہ کے علم برداروں نے مسلسل مسلمانوں کو پریشان کئے رکھا اور حضور ﷺ نے بڑے گہرے فہم و

فراست سے مشرکین مکہ، دیگر عرب قبائل اور یہود سے بیک وقت مقابلہ کیا۔ ہجرت کے پانچویں سال یعنی جنگ خندق کے موقع پر یہ تمام گروہ متحدہ محاذ بنا کر مسلمانوں کو کچلنے کے لئے جمع ہو گئے۔ کیا ایسی صورت میں تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ ہجرت کے فوراً بعد اظہار دین حق کا عظیم مشن پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تھا، جس کے لئے حضور ﷺ بھیجے گئے تھے؟

بارھویں دلیل : منہجِ انقلابِ نبوی پر اعتراض کرنے والے بعض حضرات نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم بھی اس بات کے قائل تھے کہ ہجرتِ مدینہ کے ساتھ ہی اسلامی ریاست قائم ہو گئی تھی اور اسلامی انقلاب برپا ہو گیا تھا۔ مناسب محسوس ہوتا ہے کہ اس موقع پر مولانا کی ایک ایمان افروز تحریر قارئین کی خدمت میں پیش کی جائے۔ مولانا موصوف فرماتے ہیں :

> "مکہ میں اس تحریک کو کام کرتے ہوئے تیرہ سال گزر چکے تھے کہ یکایک مدینے میں اس کو ایک ایسا مرکز بہم پہنچ گیا جہاں اس کے لئے یہ ممکن ہو گیا کہ عرب کے تمام حصوں سے اپنے پیروؤں کو سمیٹ کر ایک جگہ اپنی طاقت مجتمع کرے۔ چنانچہ نبی ﷺ اور بیشتر متبعینِ اسلام ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ اس طرح یہ دعوت اگلے مرحلے میں داخل ہو گئی۔
>
> اس مرحلہ میں حالات کا نقشہ بالکل بدل گیا۔ امت مسلمہ باقاعدہ ایک ریاست کی بنا ڈالنے میں کامیاب ہو گئی۔ پرانی جاہلیت کے علمبرداروں سے مسلح مقابلہ شروع ہوا۔ پچھلے انبیاء کی امتوں (یہود و نصاریٰ) سے بھی سابقہ پیش آیا۔ خود امتِ مسلمہ کے اندرونی نظام میں مختلف قسم کے منافق گھس آئے اور ان سے بھی نمٹنا پڑا اور دس سال کی شدید کشمکش سے گزر کر آخر کار یہ تحریک کامیابی کی منزل پر پہنچی کہ سارا عرب اس کے زیر نگین ہو گیا اور عالمگیر دعوت و اصلاح کے دروازے اس کے سامنے کھل گئے"۔ (تفہیم القرآن، مقدمہ جلد اول، صفحہ ۲۴)

تیرھویں دلیل : آخری دلیل کے طور پر ہم سورۂ بقرہ کی آیت ۱۹۳ اور سورۂ انفال کی آیت ۳۹ کو پیش کرتے ہیں :

"وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ"

"اور تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو

جائے"۔ (سورۂ بقرہ' آیت نمبر ۱۹۳)

"وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ"

"اور تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے۔" (سورہ انفال' آیت نمبر ۳۹)

سید ابو الاعلیٰ مودودی سورۂ بقرہ کی مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

"سیاق و سباق سے صاف ظاہر ہے کہ اس مقام پر "فتنہ" سے مراد وہ حالت ہے جس میں دین اللہ کے بجائے کسی اور کے لئے ہو اور لڑائی کا مقصد یہ ہے کہ یہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین صرف اللہ کے لئے ہو۔ پھر جب ہم لفظ 'دین' کی تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان میں دین کے معنی اطاعت کے ہیں اور اصطلاحاً اس سے مراد وہ نظامِ زندگی ہے جو کسی کو بالاتر مان کر اس کے احکام و قوانین کی پیروی میں اختیار کیا جائے۔ پس دین کی اس تشریح سے یہ بات خود واضح ہو جاتی ہے کہ سوسائٹی کی وہ حالت جس میں بندوں پر بندوں کی خدائی و فرماں روائی قائم ہو اور جس میں اللہ کے قانون کے مطابق زندگی بسر کرنا ممکن نہ رہے' فتنہ کی حالت ہے اور اسلامی جنگ کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ اس فتنہ کی جگہ ایسی حالت قائم ہو جس میں بندے صرف قانونِ الٰہی کے مطیع بن کر رہیں"۔ (تفہیم القرآن ج ۱' ص ۱۵۱)

سورۂ انفال کی آیت ۳۹ کے حوالے سے مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی تفسیر کا مندرجہ ذیل حصہ خاص طور پر توجہ کا طالب ہے کہ :

"اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان غاصبوں اور خائنوں سے جنگ کرو اور یہ جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ سرزمین حرم پر اللہ کے دین یعنی اسلام کے سوا جو ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا اور کوئی دین باقی نہ رہ جائے۔ اسی بات کو نبی اکرم ﷺ نے یوں مؤکد فرمایا کہ اس سرزمین پر دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔ اصلاً تو یہ حکم سرزمین حرم کے لئے ہے لیکن کفر و شرک کے اثرات سے اس کی حفاظت بغیر اس کے ممکن نہیں کہ وہ پورا علاقہ کفر و شرک کی مداخلت سے پاک رہے جس میں حرم واقع ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ جس طرح مکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے محترم ہے اسی طرح نبی ﷺ نے مدینہ کو محترم قرار دیا جس سے اس حکم کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا"۔ (تدبر قرآن۔ ج ۳' ص ۴۷۵)

معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع رحمتہ اللہ علیہ اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"خلاصہ اس تفسیر کا یہ ہے کہ مسلمانوں پر اعداءِ اسلام کے خلاف جہاد و قتال اس وقت تک واجب ہے جب تک مسلمانوں پر ان کے مظالم کا فتنہ ختم نہ ہو جائے اور اسلام کو سب ادیان پر غلبہ نہ ہو جائے"۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ انفال مدنی سورتیں ہیں اور ان کی مذکورہ آیات بڑی وضاحت سے کہہ رہی ہیں کہ ابھی دین کُل کا کُل اللہ کے لئے نہیں ہوا۔ بقول اقبال ۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے

بعض حضرات نے ہجرت کے فوراً بعد ہی اسلامی ریاست کے قیام کو ثابت کرنے کے لئے ایک نو مسلم صحابی حضرت ابو قیس بن صرمہ بن ابی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار پیش کئے ہیں جو انہوں نے قبول اسلام کے وقت کہے تھے۔ ان اشعار کا ترجمہ یوں ہے :

"آپ دس سال سے کچھ زیادہ عرصہ تک قریش میں اس امید پر لوگوں کو نصیحت کرتے رہے کہ کوئی ساتھی، کوئی رفیق ان (کے اعیان اور اکابر) میں سے مل جائے اور حج کے موقع پر اپنے آپکو لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے لیکن نہ کوئی پناہ دینے والا ملا اور نہ کوئی ایسا شخص جو آپ کے ساتھ حق کا داعی بن کر کھڑا ہو جاتا۔ لیکن اس کے بعد جب آپ ہمارے پاس آئے تو اللہ نے یہاں اپنے دین کو غلبہ عنایت فرمادیا۔ چنانچہ طیبہ کی اس بستی سے آپ ہر لحاظ سے خوش اور راضی ہو گئے"۔

قارئین اندازہ کرسکتے ہیں کہ ایک نو مسلم صحابی نے عین قبول اسلام کے وقت جو اشعار کہے ہیں ان میں شاعری کی مجبوری کی وجہ سے مبالغہ کا رنگ پوری انتہا پر ہے۔ مکی دور میں جن نفوس قدسیہ کو حضور ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کا ساتھ دینے کا شرف حاصل ہوا، انہوں نے راہ حق میں وہ قربانیاں پیش کیں جن کی نظیر شاید ہی کوئی انسان قیامت تک پیش کرسکے گا۔

اسی طرح بعض حضرات نے افغانستان کی موجودہ حکومت کی مثال دی ہے کہ وہ بالفعل اپنے دار لحکومت میں بھی اپنا حکم پوری طرح منوا لینے پر قادر نہیں لیکن پوری دنیا

اسے ایک باقاعدہ حکومت تسلیم کرتی ہے۔ اسی طرح ہجرت کے فوراً بعد مدینے میں بھی اسلامی ریاست قائم ہو چکی تھی۔ غور کیجئے اللہ کے رسول ﷺ کی قائم کردہ ریاست کو افغانستان کی موجودہ حکومت کی طرح بے دست و پا اور بے اختیار قرار دے کر ایسے حضرات اللہ کے رسول اور ان کی قائم کردہ اسلامی ریاست کی شان بڑھا رہے ہیں یا گھٹا رہے ہیں!!

چوتھا اعتراض :

"شریعت کی رو سے جس طرح کوئی شخص اقتدار اور حکومت کے بغیر کسی زانی کو کوڑے نہیں مار سکتا' کسی چور کا ہاتھ نہیں کاٹ سکتا' اسی طرح جہاد و قتال کے لئے بھی کوئی اقدام نہیں کر سکتا۔ اس نوعیت کا ہر اقدام شریعت میں جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کسی پیغمبر نے اقتدار کے بغیر جہاد نہیں کیا۔ قرآن اس معاملے میں بالکل واضح ہے۔ عالم کے پروردگار نے ان کو اس کی اجازت اس وقت دی جب انہوں نے ہجرت کر کے اپنی جماعت کسی آزاد علاقے میں منظم کر لی اور ان کا اقتدار اس جماعت پر بزور قوت قائم ہو گیا۔ اللہ کے یہ پیغمبر اس معاملے میں اس قدر محتاط رہے ہیں کہ انہیں جب تک اقتدار حاصل نہیں ہوا قتال کا نام بھی ان کی زبان پر کبھی نہیں آیا۔ یہی حقیقت سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت سے بھی واضح ہوتی ہے۔ اسلام کے نزدیک یہ تصور ہی مضحکہ خیز ہے کہ جو نظامِ امارت اپنے لوگوں پر اللہ کی حدود نافذ کرنے اور ارتکاب جرم کی صورت میں مجرم کو سزا دینے کا اختیار نہیں رکھتا اسے قتال کی اجازت دی جائے۔"

جواب :

شریعت کی تکمیل کے بعد تو ضروری ہے کہ مسلمان کسی خطہ ارضی میں اللہ کی حدود کو اسی وقت نافذ کریں جب انہیں وہاں مکمل اقتدار حاصل ہو جائے۔ البتہ شریعت کے نزول کے دوران نبی کو پابند نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے ماننے والوں پر جزوی یا مکمل احکامات شریعت بغیر اقتدار کے حصول کے نافذ نہ کرے۔ البتہ قرآن کے حوالے سے یہ بات کہ

دینا کہ کسی بھی نبی نے بغیر اقتدار کے قتال نہیں کیا بہت بڑی جسارت اور غلط بیانی ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیات قابل غور ہیں :

پہلی دلیل : سورۂ آل عمران آیات ۱۴۶۔۱۴۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ○ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○"

"اور کتنے انبیاء گزرے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی تو وہ ان مصیبتوں کی وجہ سے جو انہیں خدا کی راہ میں پہنچیں نہ تو پست ہمت ہوئے نہ انہوں نے کمزوری دکھائی اور نہ دشمنوں کے آگے گھٹنے ٹیکے اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ ان کی دعا تو ہمیشہ یہ رہی کہ اے رب ہمارے گناہوں اور ہمارے معاملے میں ہماری بے اعتدالیوں کو بخش دے، ہمارے قدم جمائے رکھ اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا صلہ بھی عطا فرمایا اور آخرت کے اچھے اجر سے بھی نوازا۔ اور اللہ خوب کاروں کو دوست رکھتا ہے"۔

کیا تاریخ انسانی سے ثابت کیا جاسکتا ہے کہ بہت سے انبیاء نے دعوت اور محض دعوت کے ذریعے پہلے اقتدار حاصل کیا اور پھر اس کے بعد اللہ کی راہ میں جنگ کی؟ شاید اس کی کوئی ایک مثال بھی پیش نہ کی جاسکے۔ ان آیات میں تو فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کے نتیجے میں انہیں دنیا کا صلہ عطا فرمایا گیا۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے ان آیات کی تفسیر میں لکھا ہے :

"ان آیات میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہیں (اللہ والوں کو) جب مصیبتیں اور آزمائشیں پیش آئیں تو انہوں نے اس طرح کی باتیں نہیں بنائیں جس طرح کی باتیں آج کمزور قسم کے مسلمان اور منافق لوگ بنا کر پیغمبر کے خلاف طرح طرح کے شبہات

دلوں میں پیدا کر رہے ہیں بلکہ جو افتاد انہیں پیش آئیں اس کو انہوں نے خدا اور رسول کی طرف منسوب کرنے کے بجائے خود اپنی کمزوریوں اور اپنے تجاویز پر محمول کیا اور اللہ تعالیٰ سے اپنے قصوروں کی معافی مانگی۔ اس کا صلہ ان کو یہ ملا کہ دنیا میں بھی خدا نے ان کو اقتدار اور حکومت سے سرفراز فرمایا اور آخرت میں بھی ان کے لئے نہایت اعلیٰ صلہ و انعام موجود ہے"۔

دوسری دلیل : سورۃ البقرہ کے رکوع ۳۲ اور ۳۳ میں اس قتال فی سبیل اللہ کا ذکر ہے جو حضرت طالوت کی قیادت میں اللہ والوں نے کیا اور جس میں حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر کے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ قرآن حکیم کے اس مقام کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وقت کے نبی حضرت سموئیل علیہ السلام نے جب قوم کے مطالبہ پر ان کے سامنے قتال فی سبیل اللہ کے فرض ہونے کا اعلان کیا تو اکثریت نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ غور کیجئے کیا نبی کو ان پر اقتدار حاصل تھا؟ اسی طرح جب حضرت طالوت نے ایک نہر کے ذریعے ان لوگوں کو آزمایا تو اکثر نے حضرت طالوت کے حکم کی نافرمانی کی۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام کو جو کہ اس جنگ کے اصل ہیرو تھے فتح کے بعد نبوت بھی ملی اور رسالت بھی۔

تیسری دلیل : سورۂ مائدہ کے چوتھے رکوع میں اس واقعہ کا ذکر ہے جس میں حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو مشرکین کے خلاف قتال فی سبیل للہ کا حکم دیا۔ سوائے دو افراد کے پوری قوم نے بیک زبان حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حکم ماننے سے صاف انکار کر دیا اور کہا :

"قَالُوا يٰمُوسٰى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا اَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُونَ O"

"وہ بولے کہ اے موسیٰ ہم اس (بستی) میں ہرگز نہیں داخل ہوں گے جب تک وہ اس میں موجود ہیں، تو تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں"۔

چنانچہ حضرت موسیٰ ذات باری تعالیٰ کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں :

"قَالَ رَبِّ اِنِّی لَآ اَمْلِکُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ○"

"حضرت موسیٰ نے فریاد کی کہ اے پروردگار میرا اپنی جان اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر کچھ زور نہیں، پس تو ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان علیحدگی کردے"۔

قارئین خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ یہ بات قرآنی شواہد کے کس قدر برعکس ہے کہ "اللہ کے پیغمبر اس معاملے میں اس قدر محتاط رہے کہ انہیں جب تک اقتدار حاصل نہیں ہوا قتال کا نام بھی ان کی زبان پر نہیں آیا"۔

برائے توجہ رفقاء تنظیم اسلامی

آئندہ تربیت گاہوں اور خصوصی پروگراموں کا تبدیل شدہ شیڈول

تربیت گاہیں

☆ مبتدی	۱۵ تا ۲۱ مارچ ۹۶ء	مرکزی دفتر تنظیم اسلامی پاکستان لاہور
☆ ملتزم	۲۲ تا ۲۸ مارچ ۹۶ء	ایضاً
☆ مبتدی	۵ تا ۱۱ اپریل ۹۶ء	ایضاً
☆ ملتزم	۱۷ تا ۲۳ مئی ۹۶ء	حلقہ شمالی پنجاب
☆ مبتدی	۳۱ مئی تا ۶ جون ۹۶ء	مرکزی دفتر تنظیم اسلامی پاکستان لاہور
☆ ملتزم	۵ تا ۱۱ جولائی ۹۶ء	ایضاً
☆ مبتدی / ملتزم	۹ تا ۱۵ اگست ۹۶ء	قرآن اکیڈمی، ۲۵ آفیسرز کالونی، ملتان
☆ مبتدی	۶ تا ۱۲ ستمبر ۹۶ء	مرکزی دفتر تنظیم اسلامی پاکستان لاہور

خصوصی مشاورتی / تربیتی پروگرام بمقام لاہور

☆ مشاورتی و تربیتی پروگرام برائے ملتزم رفقاء	۸ تا ۱۱ جون ۱۹۹۶ء
☆ تربیتی پروگرام برائے ذمہ دار رفقاء	۱۲ تا ۱۳ جون ۱۹۹۶ء

نفاق کی نشانیاں (۳)

تالیف : فضیلۃ الشیخ الاستاذ عائض عبداللہ القرنی
ترجمہ و حواشی : ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

آٹھویں نشانی

نماز میں ٹھونگے مارنا

جیسا کہ پچھلی حدیث میں ہم نے بیان کیا ہے "تِلْکَ صَلَاۃُ الْمُنَافِقِ ...... یَنْقُرُ اَرْبَعَ رَکْعَاتٍ .... (یہ منافق کی نماز ہے...... چار رکعات ٹھونگ لیتا ہے.....) اس کا معنی یہ ہے کہ وہ جلدی جلدی نماز پڑھتا ہے اور اس میں خشوع نہیں ہوتا۔ نماز میں اطمینان و سکون سے محرومی اور قلت ذکر دلی اکتاہٹ کی نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت' ہیبت اور مقام سے خالی دل منافقین کی نمایاں نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ "مدارج السالکین" میں تحریر فرماتے ہیں : ایک نمازی دوسرے نمازی بھائی کے ساتھ ایک ہی امام اور ایک ہی صف میں کھڑا ہو کر نماز ادا کرتا ہے لیکن مقام و مرتبہ کے اعتبار سے دونوں کی نمازوں میں زمین و آسمان جتنا فرق ہوتا ہے کیونکہ ایک نمازی کے دل میں اخلاص' محبت اور شوق کے ساتھ ساتھ' ڈر اور خوف بھی ہوتا ہے جبکہ دوسرے کے دل پر اکتاہٹ' دوری' اور پژمردگی چھائی ہوئی ہوتی ہے (والعیاذ باللہ) دوران نماز خشوع کے معاملے میں ہمیشہ ہوشیار اور چوکنے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ○ ﴾ (المومنون : ۱-۲)

"یقیناً کامیاب ہوئے ہیں وہ اہل ایمان جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں"۔

"الخشوع فی الصلاۃ" مؤلفہ امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نماز کے موضوع پر بہترین تالیف ہے۔ اس کتاب کی طرف توجہ دلانا میں ضروری سمجھتا ہوں۔

نویں نشانی

رضاکارانہ طور پر دینی خدمات انجام دینے والے

نیک اہلِ ایمان پر طعنہ زنی کرنا

قرآن حکیم میں منافقین کے اس وصف کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے :

﴿ اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقَاتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝﴾

(التوبہ : ۷۹)

"(اللہ تعالیٰ ان دولت مند مگر کنجوس منافقوں کو خوب جانتا ہے) جو برضا و رغبت دینے والے اہل ایمان کی مالی قربانیوں پر باتیں چھانٹتے ہیں اور ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جن کے پاس (اللہ کی راہ میں دینے کے لئے) اس کے سوا کچھ نہیں ہے جو وہ اپنے اوپر مشقت برداشت کر کے دیتے ہیں۔ اللہ ان (مذاق اڑانے والوں) کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کے لئے دردناک سزا ہے"۔

"لمز" سے مراد ہے لوگوں کی عزت پر حملہ آور ہونا اور ان پر زبانِ طعن دراز کرنا، اور "مُطَّوِّعین" کی اصطلاح کا اطلاق ہر اس شخص پر ہو گا جو اللہ اور رسول کی اطاعت میں رضاکارانہ طور پر دینی خدمات انجام دے اور نتیجۃً اللہ کے دین کی طرف دعوت و تبلیغ میں مصروف رہے۔ ہر محفل میں منافق کو ایک ہی کام ہے کہ نیک لوگوں کی چغلیاں کرے اور ان پر آوازیں کسے، یعنی رضاکارانہ جہاد میں شریک ہونے والوں، سنجیدہ اور باوقار لوگوں، شرفاء اور دھیمے مزاج کے مالک حضرات کے خلاف زبان درازی کرے۔ اسے

یہودیوں' عیسائیوں' سوشلسٹوں اور ملحدوں کے بارے میں گفتگو کی توفیق نہیں ہوتی' بس صبح و شام اللہ والوں پر تیر چلانا اس کا کام ہے' چنانچہ وہ اللہ کے نیک بندوں کے بارے میں باتیں بناتا ہے' محفلوں میں ان کی عزت پر حملہ آور ہوتا ہے' ان کا مذاق اڑاتا ہے۔ مثلاً ایک ہم عصر مؤلف نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ متحدہ عرب امارات میں مقیم ایک گھنی داڑھی والے نے مجھ سے کولونیا کے بارے میں دریافت کیا۔ اس کا مقصد داڑھی اور کپڑوں کا مذاق اڑانا تھا۔ خبر نہیں یہ سنتِ رسول کو کیا سمجھتے ہیں' ہر سنت ہی ان کے دماغ کو ٹیڑھی محسوس ہوتی ہے ---- اس نے مزید لکھا ہے کہ جزائر کے ایک گھنی داڑھی والے نے مجھ سے ٹخنوں سے اوپر کپڑا رکھنے کے بارے میں پوچھا' اور ایک دوسرے گھنی داڑھی والے نے پردے کا سوال کیا۔ ہم اس آدمی سے دریافت کرتے ہیں : کولونیا' اونچے کپڑے اور پردے کا گھنی داڑھی سے کیا تعلق؟ اس سے صرف طنز و تشنیع پیش نظر ہے۔

اے برادرانِ اسلام! مؤمن کو ایسی غلط حرکت سے ہمیشہ چوکنا رہنا چاہئے' کیونکہ نیک لوگوں کی عزت پر حملہ آور ہونا منافق کی نشانی ہے۔ منافق تو ہمیشہ اہل علم' دعوت و تبلیغ میں مصروف حضرات' طلبہ اور سیدھی راہ پر گامزن عبادت گزار حضرات کی ٹوہ میں رہتا ہے اور مذاق اڑانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ شاعر العربی نے اپنے بھائی سے کہا تاکہ وہ اس کا مخلص بھائی بن جائے :

یا "تو تم میرے مخلص بھائی بن جاؤ تاکہ مجھے تیرے نفع و نقصان کا پوری طرح پتہ چل جائے یا پھر مجھ سے بالکل الگ ہو جاؤ اور مجھے دشمن سمجھ لو' میں تجھ سے بچ کر رہوں اور تو مجھ سے بچ کر رہے۔ اپنا حال تو یہ ہے کہ اگر بایاں ہاتھ دشمنی کی وجہ سے مجھ سے اختلاف کر لے تو میرا دایاں ہاتھ بھی اس سے رشتہ برقرار نہیں رکھتا"

چنانچہ جو آدمی نیک لوگوں پر کیچڑ اچھالے اور ان کی عزت پر حملہ آور ہو تو سمجھ لو کہ اس میں نفاق کی نشانی پائی جاتی ہے۔

دسویں نشانی

قرآن کریم' سنّتِ مطہّرہ یا رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑانا

اس زمانے کے ایک ماڈرن فاجر کے بارے میں' میں نے سنا اور یہ فاجر بالکل ہی دین سے نکل چکا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذٰلک) وہ نہ نماز روزہ کرتا ہے اور نہ زکوٰۃ دیتا ہے۔ بات یہاں تک ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ وہ سنت پر بھی زبان درازی کرتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑاتا ہے۔ ایک قابل اعتماد صاحب نے اس کا واقعہ بیان کیا۔ اگر واقعتاً یہ بات صحیح ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ' فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اس جرم پر اسے کبھی معافی نہیں ملے گی اور نہ کسی نیکی کے بدلے میں اس کا یہ گناہ معاف ہو گا' اللہ اس سے بات کرے گا نہ اس کی طرف دیکھے گا اور نہ کسی شکل میں اسے پاک کرے گا اور اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

واقعہ یوں ہے کہ چند نوجوانوں کے ساتھ وہ بیٹھا تھا اور انہیں جنت کے راستے سے بھٹکا کر جہنم کے راستے کی طرف بہکا رہا تھا۔ اس نے ساتھیوں سے پوچھا: ابو ہریرہ سے مروی چند حدیثیں کیا تمہیں نہ سناؤں؟ ساتھیوں نے کہا: ہاں ہاں ابو ہریرہ سے مروی حدیثیں ہمیں بھی سناؤ! اس نے کہا: (نقلِ کفر' کفر نہ باشد و نعوذ باللّٰہ مِنَ الکفر والنِّفاق) "مجھے میری پھوپھی نے بتایا' اس نے کہا کہ اسے اس کی خالہ نے بتایا کہ اس کی دادی نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ ایک دن آپؐ نے اپنے ارد گرد بیٹھے صحابہ کرام سے دریافت کیا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ پیپسی کسے کہتے ہیں؟ (واضح رہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں پیپسی نہیں تھی۔ لیکن اس نے مذاق بنایا) صحابہؓ نے کہا: ہم پیپسی کو نہیں جانتے تو آپ نے فرمایا: یہاں سے اٹھ جاؤ' تمہیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ پیپسی کیا ہوتی ہے"۔

اسے کافر قرار دینے کے لئے اس کی یہی حرکت کافی ہے۔ اس گفتگو کی وجہ سے وہ کافر

قرار پاتا ہے' اس کا خون رائیگاں ہے' اس کے نصیب میں اب صرف تلوار ہے۔ اس پر جنازہ نہیں پڑھا جائے گا نہ کفن دیا جائے گا اور نہ ہی مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا بلکہ اس کا شمار کافروں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ○ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ﴾ (التوبہ : ۶۵'۶۶)

"ان سے کہو کیا تمہاری ہنسی دل لگی اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول ہی کے ساتھ تھی؟ اب عذرات نہ تراشو' تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیات ان منافقین کے بارے میں نازل کیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مل کر نمازیں پڑھیں' روزے رکھے' جہاد کیا' لیکن رات گپ شپ لگانے بیٹھ گئے۔ ان میں سے کسی ایک نے کہا: ہمارے قاری یعنی قرآن کے حافظ صحابہ پیٹ پوجا میں تو بڑی دلچسپی لیتے ہیں لیکن جنگ میں بڑے بزدل ثابت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ان کے کفر کا اعلان کر کے بر سرعام اور سب کے سامنے انہیں رسوا کر دیا۔۔۔لا الٰہ الا اللہ۔

کتنے ہی اسلام کے مضبوط قلعوں کو ایسے لوگوں نے تباہ کیا ہے' اور کتنے ہی گھروں کو برباد کیا ہے۔ اور کتنے ہی شہروں کو اجاڑ دیا ہے۔ ان کی سزا جہنم کی آگ ہے اور وہ بہت بھیانک ٹھکانہ ہے۔

کپڑوں کی لمبائی' مسواک' داڑھی' بیٹھنے کے آداب اور اسی طرح کی دوسری باتوں سے دل لگی کے پیچھے دراصل رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کا مذاق اڑانے کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے اور عمداً ایسی چیزوں کا مذاق اڑانے والا کافر ہے۔

گیارھویں نشانی

اپنے تحفظ کی خاطر قسمیں کھانا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿اِتَّخَذُوْا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً ﴾ (المنافقون : ۲)

"انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے"۔

یعنی قسمیں ان کی حفاظت کا کام کر رہی ہیں۔ جب تم نے کسی چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو سب سے آسان چیز اس کے ہاں قسم کھانا ہے' حالانکہ وہ جھوٹا ہوتا ہے۔ مثلاً اگر وہ کسی کی غیبت کر چکا ہے تو جس کی غیبت کی اس کے سوال پر قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی' قسم بخدا تم نے مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو' خدا کی قسم تم تو میرے دوست ہو۔ جھوٹ پر جھوٹ بول رہا ہے اور قسم کو اپنے تحفظ کی خاطر استعمال کر رہا ہے۔

منافق کی پہچان یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ جھوٹی قسمیں کھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿فَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝﴾ (القلم : ۱۰)

"ہرگز نہ دبو کسی ایسے شخص سے جو بہت زیادہ قسمیں کھانے والا بے وقعت آدمی ہے"۔

"حَلَّاف" سے مراد ہے بہت زیادہ قسمیں کھانے والا۔ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی مسلسل قسمیں کھانے والا۔ امام شافعی بیان کرتے ہیں: میں نے اللہ کے نام کی نہ کبھی سچی قسم کھائی ہے اور نہ کبھی جھوٹی۔ اللہ تعالیٰ امام شافعی کا مقام مزید بلند فرمائے' ورع و تقویٰ کے کتنے اونچے مقام پر فائز تھے۔ امام موصوف نے واحد و تنہا اللہ تعالیٰ کی عزت و تعظیم کی خاطر نہ کبھی سچی قسم کھائی ہے اور نہ جھوٹی' --- اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے۔

بارھویں نشانی

اللہ کی راہ میں خرچ کے موقع پر تنگ دلی کا مظاہرہ کرنا

وہ خرچ کرتا ہے' صدقہ دیتا ہے' راہ خدا میں دیتا ہے' بسا اوقات مسجد تک بنوا دیتا ہے یا کبھی چندہ دے دیتا ہے' لیکن محض ریا اور شہرت کے لئے اور انتہائی تنگ دلی کے ساتھ --- اس کے دل کی کیفیت کا تو اللہ ہی کو علم ہے۔ وہ یا تو شہرت اور لوگوں کے سامنے اپنے مال کی نمائش کے لئے خرچ کرتا ہے یا پھر لوگوں کے دکھلاوے اور انہیں اپنی ذات کی طرف متوجہ

کرنے کی خاطر ایسا کرتا ہے۔ وہ درحقیقت اللہ کو راضی کرنے کے لئے خرچ کرنا تو نہیں چاہتا لیکن مجبوراً خرچ کرتا ہے۔

ادھر سچے مسلمان کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اس کا دل خوشی سے پھول جاتا ہے اور وہ پرسکون ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس بات پر شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے نیکی کے کام کی اسے توفیق بخشی یا یہ کہ کسی فقیر مسکین کی مدد کے قابل بنایا۔ وہ اس کمائی پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔۔۔۔ اور یہی مومن کی پہچان ہے۔

میرے بھائیو اور دوستو! انسان روپے پیسے کو خرچ کرتے وقت اپنے دل کا جائزہ لے لے' کہ وہ اسے کس جذبے کے ساتھ خرچ کر رہا ہے۔ اگر دل میں ریا یا تنگی محسوس کرے تو اپنے مال کو خرچ نہ کرے تاکہ ایسا نہ ہو کہ دنیا میں مال سے محروم رہے اور آخرت میں حسرت و ندامت کا شکار ہو۔

تیرھویں نشانی

بزدلی پیدا کرنا

منافقوں کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی صفوں میں بزدلی اور کم ہمتی پیدا کرتے ہیں۔ ان کے ہاں بزدلی پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مایوسی پھیلائیں گے' مثلاً یہ کہ "کافر مسلمانوں کے مقابلے میں کہیں طاقتور ہیں' اسرائیل کے پاس بے شمار فوجی ساز و سامان ہے' جسے اللہ ہی جانتا ہے"۔ بطور تمسخر کہیں گے "کیا یہ تمام مسلمان مل کر بھی امریکہ کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ جس کے پاس ایٹمی اسلحہ ہے اور جوہری بم ہیں۔ ظاہر بات ہے امریکہ کا مقابلہ نہیں ہو سکتا' ہم مسلمان تو تباہ ہو چکے ہیں' ہلاکت میں ہیں' بہت ہی کمزور اور مسکین ہیں"۔ ایسی باتیں کرنا ان کی عادت بن چکی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جو منافق یورپ اور امریکہ کا چکر لگا کر آئیں' حالانکہ وہ ہماری اپنی ہی نسل سے ہیں' لیکن ان کے دماغ دھو دیئے جاتے ہیں اور وہ کافروں کی تصویر بن کر واپس آتے ہیں اور باہر سے مسلط ہونے والے استعمار کے ایجنٹ نظر آتے ہیں۔ ہمیشہ امریکہ کی عظمت کے قصے بیان کرتے ہیں' اس

کی طاقت' اس کے میزائل' اس کے ہوائی جہازوں کے تذکرے ان کی زبان پر ہوتے ہیں اور اس کے بالمقابل مسلمانوں کی کمزوری و رسوائی بیان کرتے ہیں' اس لئے کہ انہوں نے ذہنی طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت میں عزت کا مقام دیکھا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ﴾ (آل عمران : ۱۶۰)

"اگر اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں"۔

مزید فرمایا:

﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ (آل عمران : ۱۲۶)

"فتح و نصرت جو کچھ بھی ہے اللہ کی طرف سے ہے۔"

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ' اتَّخَذَتْ بَيْتًا' وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ﴾ (العنکبوت : ۴۱)

"جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرست بنالئے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے' جو اپنا ایک گھر بناتی ہے' اور سب گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا گھر ہی ہوتا ہے۔"

لیکن اسے اس بات کی خبر ہی نہیں کہ عزت اللہ ہی کی طرف سے ملتی ہے۔ وہ ہمیشہ بزدلی کی باتیں ہی کرتا ہے۔ اگر تم اس کے سامنے افغان جہاد کا تذکرہ کرو تو اس کا جواب ہوگا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ روس افغانیوں کی جان چھوڑ دے گا؟ وہ تو انہیں پیس کر رکھ دے گا' اس کا کیا مقابلہ؟ روس کے پاس اس قدر سامانِ جنگ ہے کہ اللہ ہی کو اس کی صحیح خبر ہے۔ اگر اس منافق کو پتہ چلے کہ کچھ نوجوان جہاد افغانستان کے لئے جا رہے ہیں تو وہ کہتا ہے میرے خیال میں انہیں نہیں جانا چاہئے' وہاں سے تو سخت جنگ کی خبریں آ رہی ہیں اور مجاہدین بری طرح کچلے جا رہے ہیں۔ اور اگر کسی کو وعظ و ارشاد کی محفل میں جاتے دیکھتا ہے تو اسے بھی روکنے کی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے: مجھے تو ان تقریروں میں کوئی فائدہ نظر

نہیں آتا' وہاں تو صرف "اِتَّقُوا اللّٰہ' اِتَّقُوا اللّٰہ" کی رٹ ہوتی ہے۔ کیا کوئی بات اِتَّقُوا اللّٰہ (اللہ سے ڈرو) سے بہتر' افضل' مفید اور عظیم ہو سکتی ہے؟ نہیں! قسم بخدا نہیں۔ اپنے ساتھیوں سے کہتا پھرتا ہے ایسی تقریروں میں نہ جاؤ' وہاں تو وہی گھسی پٹی باتیں ہوتی ہیں' بس اپنے گھر میں رہو اور جو باتیں کتابوں میں مل سکتی ہیں ان کے پیچھے وقت ضائع نہ کرو۔ یہ ساری کی ساری حرکتیں مسلمانوں کو بزدل بنانے کے قبیل میں شامل ہیں اور نفاق کی علامتوں میں سے یہ ایک علامت ہے۔ وَالعیاذ باللّٰہ من ذٰلک

چودھویں نشانی

اضطراب انگیز افواہیں پھیلانا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿ لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ.... ﴾ (الاحزاب : ۶۰)

"اگر منافقین' اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور جو مدینہ میں ہیجان انگیز افواہیں پھیلانے والے ہیں اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے...."

بزدلی پیدا کرنے والوں اور افواہ سازوں کے درمیان کئی قدریں مشترک ہیں' البتہ افواہ ساز واقعات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں' اگر کوئی چھوٹی سی بات ہو جائے تو اسے کئی گنا بڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ بطور مثال اگر ایک مجاہد معرکے میں شہید ہو جائے تو افواہ ساز کہے گا کہ میں نے سنا ہے کہ سو مجاہد مارا گیا۔ اگر کسی عالم دین سے کسی چھوٹے سے مسئلے میں غلطی سرزد ہو جائے تو کہے گا: اللہ ہمیں اور اسے ہدایت دے' فلاں عالم نے کئی غلط مسئلے بیان کئے ہیں' یہ کیسا عالم ہے' اسے کسی چیز کا پتہ ہی نہیں۔ اگر کسی واعظ یا مقرر سے سبقتِ لسانی کی وجہ سے غلط لفظ ادا ہو جائے تو افواہ ساز محفلوں میں اسے بڑھا چڑھا کر پیش کرے' کہ دوستو! سنا ہے کہ فلاں صاحب کیا کہہ رہے تھے؟ اور اس کے ساتھ ہی اس کی کردار کشی شروع کر دے گا' خواہ اس داعی اور مقرر میں بے شمار خوبیاں ہوں اور اس میں کئی عمدہ

خصلتیں ہوں‘ البتہ ایسی باتوں کا وہ لوگوں کے سامنے قطعاً تذکرہ نہیں کرے گا۔

امام شعبی کہتے ہیں: میں نے افواہ سازوں جیسا کم ظرف کسی کو نہیں پایا‘ اگر تم ننانوے صحیح اور ایک بات غلط کر لو تو ننانوے کو بھول جائیں گے اور ایک غلطی کو شمار کرنے بیٹھ جائیں گے۔ قسم بخدا! افواہ ساز لوگ دلوں کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔

پندرھویں نشانی

تقدیر پر اعتراض

اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں فرمایا :

﴿اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِہِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا﴾

(آل عمران : ۱۶۸)

"یہ وہی لوگ ہیں جو خود تو بیٹھے رہے اور ان کے جو بھائی بند لڑنے گئے اور مارے گئے ان کے متعلق انہوں نے کہہ دیا کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو نہ مارے جاتے"

جب مسلمان غزوۂ احد کے موقع پر نکلے تو منافقوں نے ان سے کہا کہ مت نکلو اور نہ جنگ میں شریک ہو‘ بلکہ ہمارے ساتھ بیٹھ رہو‘ تو اہل ایمان نے ان کی رائے کو ٹھکرا دیا‘ چنانچہ جنگ میں شریک ہوئے اور اللہ کی راہ میں شہادت پائی۔ اب منافق اپنی محفلوں میں بیٹھ کر بغلیں بجانے لگے اور کہنے لگے ہم نے انہیں مشورہ دیا تھا‘ انہیں نصیحت کی تھی‘ ان کی خیر خواہی کی تھی‘ لیکن انہوں نے ہماری ایک نہ سنی‘ اگر ہماری بات مان لیتے تو یوں نہ مارے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کے جواب میں فرمایا :

﴿قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِکُمُ الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۝﴾

(آل عمران : ۱۶۸)

"ان سے کہو اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو تو خود تمہاری موت جب آئے اسے ٹال کر دکھا دینا"۔

قسم بخدا یہ تو سفید جھوٹ ہے‘ یہ تو گدھوں کی طرح مریں گے۔ شاعر نے کیا خوب کہا

ہے: مال یا اونٹ، بکری کا مرجانا کوئی بڑی مصیبت نہیں۔ اصل مصیبت تو سردار کا مرنا ہے جس کی موت سے بہت سے لوگ مرجاتے ہیں۔ منافق کہتے ہیں جو کوئی مرغیوں کے ڈربے میں مرجائے یا اللہ کی راہ میں تہہ تیغ ہو جائے دونوں برابر ہیں کیونکہ یہ بھی مرگیا وہ بھی مرگیا۔

جو آدمی شراب خانے میں مرجاتا ہے وہ بھی اللہ کی راہ میں مرنے والے کی طرح دنیا چھوڑ جاتا ہے، لیکن اصل فرق یہ ہے کہ پہلا جہنم میں اور دوسرا جنت میں، خواہ دونوں صورتوں میں مرنے کا مزہ یکساں ہی ہو۔ اسی بات کو شاعر اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے: بظاہر معمولی کام کی خاطر موت کا مزہ عظیم کام کی خاطر موت کے مزے جیسا ہی ہے۔ قضاء و قدر پر اعتراض کرنا نفاق کی نشانیوں میں سے ہے۔ اور مؤمن کی یہ شان ہے کہ تقدیر کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ (الحدید : ۲۲)

"کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب (نوشتۂ تقدیر) میں لکھ نہ رکھا ہو"۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۝﴾ (القمر : ۴۹۔۵۰)

"ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے اور ہمارا حکم بس ایک ہی حکم ہوتا ہے۔ اور پلک جھپکاتے وہ عمل میں آجاتا ہے"۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۗ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝﴾

(البقرۃ : ۱۵۵۔۱۵۶)

"اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے

گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو صبر کریں اور جب کوئی مصیبت آپڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔ تو انہیں (اے نبیؐ) آپ بشارت دے دیجئے"۔

منافق اعتراض کرتا رہتا ہے اور اللہ کی تقدیر پر راضی نہیں ہوتا۔ اگر وہ کسی مصیبت کا شکار ہو جائے تو کہتا ہے یہ کہاں سے آ گئی؟ اگر میں یوں کر لیتا تو یوں ہو جاتا۔ اور لوگوں کو ملامت کرنے لگتا ہے' تقدیر اور قضاءِ الٰہی کا انکار کرتا ہے۔ جبکہ مومن کا حال یہ ہے کہ وہ کہتا ہے میں تو اللہ پر ایمان لایا اور اپنے تمام معاملات اس کے سپرد کر دیئے۔ اور وہ جانتا ہے کہ ہر کام اللہ کی قضاء و قدر کے تحت ہوتا ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا :

((عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ خَيْرٌ' اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاء فَشَكَرَ كَانَ خَيْرًا لَهٗ' وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاء فَصَبَرَ كَانَ خَيْرًا لَهٗ' وَلَيْسَ ذٰلِكَ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ)) {۱}

"مومن کا معاملہ خوب ہے' اس کا ہر حال ہی بہتر ہوتا ہے' اگر خوشی نصیب ہو تو شکر گزار ہوتا ہے تو یہ اس کے لئے بہتر اور اگر تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے تو اس کے لئے بہتر' اور یہ مقام مومن کے سوا کسی کو نصیب نہیں۔"

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں : "اللہ کی قسم مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں غریبی میں وقت گزاروں یا امیری میں"۔ سبحان اللہ! اللہ کے دوست قضاء و قدر پر کس قدر راضی رہتے ہیں۔ اور ادھر منافق قضاء و قدر پر راضی ہونے کی لذت سے یکسر محروم ہیں۔ خواہ کچھ بھی ہو جائے انہیں یہ کڑوا گھونٹ پینا ہی پڑے گا اور پھر ندامت و شرم میں ڈوبے ہوئے اللہ کے ہاں پیش ہوں گے۔ معروف عربی شاعر ابو تمام اپنے ایک دوست سے تعزیت کرتے ہوئے کہتا ہے :

"یا تو تم مصیبت پر امیدِ ثواب کے ساتھ صبر کر لو تو اجر پا لو گے یا پھر حیوانوں کی طرح بالآخر خاموشی اختیار کر لو گے"۔

{۱} صحیح مسلم' کتاب الزہد والرقاق' باب المومن امرہ کلہ خیر و مسند امام احمد' ج ٦' ص ١٦۔

پاکستانی حوّازادیوں کے نام

—— نکہت حامد' الریاض ——

آج کل پاکستان ٹیلیویژن بہت زور و شور سے کبھی "حوا کے نام" اور کبھی کسی اور نام سے خواتین کی آزادی اور خود مختاری کے راگ الاپتا رہتا ہے۔ بڑی علمی قسم کی گفتگو ہے مگر ہم جیسے سیدھے سادے مسلمان جو قرآن اور دین کا علم رکھتے ہیں اور مغربی دنیا کی سیر بھی کر چکے ہیں صرف سر دھن کر رہ جاتے ہیں۔

آج کل پاکستان میں بھی ڈش عام چیز ہے اور خصوصاً کراچی شہر میں تو یہ بہت عام ہے۔ لوگ دنیا بھر کے ٹیلیویژن پروگرام دیکھ رہے ہیں۔ Star Plus پر اکثر Talk Shows میں خواتین خصوصاً امریکی خواتین اب خود پر عائد کردہ اضافی ذمہ داریوں سے پریشان ہیں۔ پھر غیر محفوظ زندگی' ٹوٹے ہوئے خاندان' ان کے نتیجے میں نفسیاتی مسائل سے دوچار بچے اور پھر میڈیا نے بوسنیا کی خواتین کی جو تصویر دکھائی --- وہ بھی یورپ کی ترقی یافتہ خواتین تھیں۔ انکی کہانیاں اور امریکہ میں آج کے مقبول ترین کھیل "Bold and Beautiful" میں عورت جس طرح کام کر رہی ہے گویا کہ کھلونا بنی ہوئی ہے۔ ترقی اور آزادی کے نام پر جو کچھ ان سب میں نظر آ رہا ہے کیا یہ سب مسلمان اور پاکستان خواتین کی عبرت پذیری کے لئے کافی نہیں ہے؟ میں سمجھتی ہوں کہ غیور مسلمان مرد اور خواتین کے لئے یہ بہت کافی ہے مگر افسوس کہ ع حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے۔ اب یہ غیرت و حمیت نام کی شے کہاں سے خریدی جائے؟

قرآن کی رو سے دنیا کا نظام چلانے کے لئے اور عورت کو ایک آرام دہ اور پاکیزہ ماحول دینے کے لئے باپ' بھائی اور شوہر کو حاکم بنایا گیا۔ مگر جب عورت غیر قوم کی تقلید میں نکل جاتی ہے تو ایک مرد کی حاکیت کی جگہ ہزاروں مَردوں کی حاکیت کے زیر اثر آ جاتی ہے۔ دفتروں اور بازاروں میں نہ صرف حاکیت بلکہ اسے للچائی ہوئی نظروں اور Dirty behaviours کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے جس کے عوض اسے سستی تعریف اور

گھٹیا شہرت کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ عورت وزیراعظم ہو یا ملازمہ اس کے بارے میں جس قسم کے ریمارکس پاس کئے جاتے ہیں اور اس کے کردار کا جس طرح پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے اس کا اگر اسے علم ہو جائے تو کبھی گھر سے باہر نہ نکلے۔

بی بی سی سے گزشتہ دنوں بے گھر اور بھوکے انگریز بچوں پر فلم دکھائی گئی جو نتیجہ تھے ٹوٹے ہوئے خاندان کا۔ کبھی نفسیاتی مریض بچوں کا انٹرویو سٹار پلس پر آتا ہے۔ کیا پاکستانی مائیں اپنے بچوں کا یہ حال بنانے پر تیار ہیں؟ چند دن قبل شخصی آزادی کے نام پر ہمدردی کے ساتھ لیڈی ڈیانا کا بی بی سی پر انٹرویو دکھایا گیا اور ہر ذاتی بات کو ٹی وی پر زیر بحث لایا گیا۔ اس کے کردار پر بہت کچھ کہا گیا۔ آخر کار بادشاہت کا امیج خراب کرنے کے الزام میں طلاق کا حکم ہو گیا' جبکہ کردار کے اسی معیار کے حامل شہزادے صاحب باعزت گھوم رہے ہیں۔ پاکستانی خواتین اگر اتنی ہی پُرعزم ہیں تو دلائیں شہزادی صاحبہ کا حق۔ کیا پاکستانی قوم کے لئے یہ آئینے کافی نہیں ہیں؟ مگر پاکستان میں ایک خطرناک قوم ہے "چمچہ قوم" جو بہت مضبوط قوت بن گئی ہے۔ کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ اس "چمچہ قوم" کو خاص قسم کی چوڑیاں پہنائی جائیں۔

پاکستان کی عورت مرد کی برابری کے لئے ٹی وی پر شور مچا رہی ہے۔ بیوقوف کو یہ نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ماں بنا کر مرد پر برتری دی ہے۔ اور یہ جو ننھے ننھے خوبصورت بچے انہیں قوم کا روشن مستقبل بنا کر اس کے حوالے کرتی ہے اور قدموں تلے جنت الگ۔ پھر باپ سے تین گنا زیادہ دیکھ بھال کی تنبیہ' مگر چراغ تلے اندھیرا۔ کبھی قرآن ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ پڑھا ہو یا اپنی تاریخ پڑھی ہو تو اسے معلوم ہو کہ وہ کیا مانگ رہی ہے۔

دنیا میں کوئی مصوّر یا مجسمہ ساز اللہ کی کسی تخلیق کی نقل کر کے مشہور ہو جاتا ہے' بے جان تصویروں کے ذریعے۔ عورت کے پاس کورے کاغذ کی طرح چھوٹے بچے جیتے جاگتے موجود ہیں' وہ اللہ کی اس نعمت کو تراش خراش کر انہیں خوبصورت رنگ دے کر شاندار کردار اور شخصیتیں بنا سکتی ہے۔ ہماری ماؤں نے جو کچھ ہمیں دیا وہ ہم اپنے بچوں کو نہیں دے سکے۔ اس وقت زوال پذیری کی تربیت دی جا رہی ہے۔ کلاشنکوف بردار نسل پیدا کرنے میں ہماری طرح مادہ پرست ماؤں کا بڑا ہاتھ ہے' کیونکہ ہمیں یہ علم ہی نہیں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اولاد کی تربیت کے بارے میں بھی ہم سے پرسش کرنی ہے۔ آج کل لڑکیاں BBA' MBA اور CA سب کچھ کر رہی ہیں۔ معاشی ترقی میں وہ اس طرح ضرور آگے نکل سکتی ہیں' مگر بحیثیتِ عورت ان پر جو ذمہ داریاں ہیں انہیں کتنے مرد share کرتے ہیں؟ آج کل غیر ممالک میں نوجوان نسل میں طلاق کا رجحان بے انتہا بڑھ رہا ہے۔ کیا ہماری خواتین پاکستان کو بھی ادھورے خاندان' نفسیاتی مریض بچے اور بزرگوں کے لئے Old Homes دینا چاہتی ہیں؟ سٹار ٹی وی کے ذریعے پورا مغربی معاشرہ ہمارے سامنے ہے۔ پاکستانی خواتین اپنا مستقبل اس آئینے میں دیکھ لیں اور "حوا کے نام" اور ان جیسے بہت سے پروگراموں میں خواتین کو ان کا انجام بھی بتاتے جائیں۔

جہاں عورت مظلوم ہے ضرور ظالم کا ہاتھ پکڑیں۔ جہیز کی سب سے بڑی لعنت سے اسے چھٹکارا دلائیں جس نے والدین کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ اور صرف جہیز ہی کیا اس جیسی ہزاروں لعنتیں ہیں جن کا ختم کیا جانا ضروری ہے۔ پاکستان ٹیلیویژن جو زہر پھیلا رہا ہے اس کی کاٹ کے لئے اسلامی تحریکیں سٹار ٹی وی پر تبلیغی مقاصد کے لئے چینل خریدیں۔ ہم سب باہر رہنے والے اس کے لئے خود بھی ایک ایک ماہ کی تنخواہ اور عطیات جمع کرنے کے لئے تیار ہیں۔ جس تیزی کے ساتھ شیطنیت پھیل رہی ہے اسی تیزی سے اس کا دفاع بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

گھریلو معاشرہ اور عورت

مظہر علی ادیب' ایم اے

"عورت کو گھر کی چار دیواری میں مقید کر کے معاشرۂ انسانی ترقی نہیں کر سکتا"۔ "اب وقت آگیا ہے کہ عورت ملک و ملت کی خدمت کے لئے مردوں کے شانہ بشانہ عملی جدوجہد میں حصہ لے"۔ "عورت اور مرد گاڑی کے دو پہیئے ہیں' ایک پہیئے کو ناکارہ کر کے' گاڑی نہیں سکتی"۔ "خاتونِ خانہ سوسائٹی کا عضوِ معطل ہے"۔

یہ چند ایسے جملے ہیں جو آج کل نہایت اہتمام اور کثرت کے ساتھ اخبارات و رسائل

کی زینت بنتے ہیں۔ یہ تمام جملے اور ان کا سارا بنیادی فلسفہ قطعی طور پر متعلقہ افراد کی حد سے بڑھی ہوئی مغرب پسندی، شعائرِ اسلام سے عدم واقفیت اور حقیقت سے جان بوجھ کر چشم پوشی یا پھر اس مسئلہ پر ہمہ گیر انداز میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کے فقدان کا نتیجہ ہے یا پھر جان بوجھ کر عیاشی کی فضا بنانے کا کوئی منصوبہ، ورنہ یہ ایک واضح اور یقینی حقیقت ہے کہ ایک گھریلو اور سگھڑ عورت بیرون خانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے والی خاتون کے مقابلہ میں کہیں زیادہ معاشرہ کا فعال، سرگرم اور مفید رکن ہے اور "زندگی کی گاڑی" کا نسبتاً زیادہ مفید اور مصروفِ عمل "پہیہ" ہے۔

معاشرہ افراد سے عبارت ہے۔ معاشرہ کی فلاح و کامرانی اور اچھائی برائی افرد کے اچھے اور برے ہونے پر منحصر ہے۔ اعلیٰ سیرت اور کردار کے حامل افراد معاشرے کی ترقی کا سبب بنتے ہیں، جبکہ ان ہی خصوصیات سے عاری افراد معاشرہ کے زوال کی وجہ بنتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر شریف النفس، غیرت مند، صلح کوش، انسان دوست، خدا پرست اور ہمدرد و غمگسار افرادِ انسانی ہی معاشرہ کو جنت کا گہوارہ بناتے ہیں اور اس کے برعکس شریر طبیعت، شرپسند، بے غیرت، جھگڑالو، انسان دشمن، دین فروش اور ظالم و بے مروت قسم کے لوگ انسانی معاشرہ کو جہنم کے گہرے غار میں دھکیل دیتے ہیں۔ انسانی سیرت و کردار کی اس عظیم اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے ذرا اس خاتون خانہ کا تصور کیجئے جو گھر کو اپنی مصروفیات کا محور بنائے ہوئے دن رات معاشرہ کی فلاح و بہبود کی خاطر اعلیٰ سیرت و کردار کے افراد مہیا کرنے کی کوشش میں منہمک رہتی ہے، بچوں کو پوری پوری ممتا دے کر اور ان کی نوع بہ نوع جسمانی اور ذہنی ضروریات کی تکمیل کر کے ان کی آئندہ شخصیت کی صحت مند بنیاد رکھتی، زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہ کرتی اور اپنی ذاتی مثال کے ذریعے نونہالوں میں صبر و تحمل، ایثار و قربانی، خلوص و محبت اور دوسروں کے لئے جینے کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ کیا ایسی عورت کو ملک و ملت کی ترقی میں عملی طور پر شریک نہ سمجھنا کھلی ہوئی احسان فراموشی نہیں ہے؟

سیاسی اور اجتماعی نظام میں خاندان ایک بنیادی یونٹ اور مرکزی نقطے کی حیثیت رکھتا ہے۔ خاندان ہی سے معاشرہ اور معاشرہ سے ریاست وجود میں آتی ہے۔ خاندان کی

مضبوطی اور استحکام سے معاشرہ اور ریاست کو قوت ملتی ہے۔ اگر خاندان کا شیرازہ بکھر جائے یا اس کی مضبوطی و استحکام میں کمزوری آجائے تو ناگزیر طور پر معاشرہ کی بھی بنیادیں ہل جائیں گی اور ریاست کا نظام بھی درہم برہم ہو جائے گا۔ خاندان کی اس بنیادی اور عظیم اہمیت کے پیش نظر انسانی معاشرت میں "خاندان" کی مضبوطی کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے اور اس کے استحکام کا حد درجہ خیال رکھا جاتا ہے۔ اور یہاں یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ خاندان کی ساری شیرازہ بندی' اس کا سارا استحکام اور اس کی حقیقی مضبوطی عورت ہی کے دم قدم سے قائم اور دائم ہے' اور ظاہر ہے عورت بھی وہ جو خاندان کے مرکز یعنی گھر کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے مصروف عمل رہتی ہے' اس لئے کہ ایک ملازم پیشہ یا فکر معاش میں پوری طرح گھری ہوئی خاتون اپنا سارا قیمتی وقت اور اپنی حقیقی توجہ دفتر کی نذر کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ دفتر کی فائلوں کے اوراق پلٹنے والی ایک خاتون' ہوٹلوں اور ہوائی سروسوں میں مہمان نوازی کے فرائض ادا کرنے والی عورت یا دکانوں پر گاہکوں کو مال پیش کرنے والی سیل گرل کا خاندان کی شیرازہ بندی اور اس کی مضبوطی اور استحکام سے کیا واسطہ؟

ان بنیادی حقائق کو پیش نظر رکھ کر سوچئے' کیا ایسی صورت میں گھریلو عورت کو معاشرہ کا "بیکار حصہ" قرار دینا سراسر زیادتی نہیں ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسی خاتون خانہ کے بغیر اچھے خاندان اور معاشرہ کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

تازہ ہوا اور صاف ستھرے پانی کے علاوہ صحیح متوازن اور صالح خوراک انسانی صحت کے لئے ضروری ہے۔ اب یہ ایک عام مشاہدہ کی بات ہے کہ ہوٹلوں اور ریستورانوں میں جو خوراک تیار کی جاتی ہے وہ عموماً ناقص اور غیر معیاری ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو حضرات اور خواتین گھر کی بجائے نعمت کدوں کے پکے ہوئے کھانے کھاتے ہیں نسبتاً زیادہ مریض دکھائی دیتے ہیں اور مختلف قسم کی بیماریاں بھی انہیں بہت جلد گھیر لیتی ہیں۔ ماہرین طب کا کہنا ہے کہ خوراک جلد ہضم ہونے اور اس کے جزو بدن بننے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنی روزمرہ کی خوراک کو پورے سکون اور اطمینان کی فضا اور صحت مند ماحول میں کھائے۔ ماہرینِ نفسیات بھی اس امر کی یوں کہہ کر توثیق کرتے ہیں کہ فکر' غم' غصہ'

مایوسی' جھنجلاہٹ' دوسری ذہنی پریشانیاں انسان کے عمل ہضم پر بہت برا اثر ڈالتی ہیں اور فرحت و انبساط کے جذبات' بے فکری' آسودہ خاطری اور قلبی آرام و سکون اچھا اثر ڈالتے ہیں۔ ہوٹل جہاں سب اجنبی ہوتے ہیں اور کسی کو کسی سے کوئی خونی لگاؤ یا قربت و یگانگت نہیں ہوتی ہرگز اس قسم کی ضروری فضا مہیا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ایک خانہ دار خاتون البتہ ضرور کھانا بھی حتی الوسع صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ تیار کرے گی اور اپنے شوہر اور والدین یا بچوں وغیرہ کو حقیقی محبت' الفت اور دل بستگی کے نیک جذبات کے ساتھ پیش کرے گی۔ وہ اپنی ماتا' وفاداری' اطاعت گزاری اور فطری احساسات کے اظہار کے ذریعے گھر کی ساری فضا کو ماحول کے مطابق ساز گار بنا دے گی۔ اور اس طرح طب اور نفسیات کے مذکورہ تقاضے بھی پورے ہو جاتے ہیں۔ الغرض ایک خانہ دار خاتون انسانی صحت کی برقراری اور عام جسمانی نشوونما کے سلسلے میں بہت اہم رول ادا کرتی ہے۔ اسے معاشرہ کا ایک "غیر فعال رکن" قرار دینا صریح زیادتی ہے۔

جدید طبی تحقیق کے مطابق اگر کوئی شیر خوار بچہ بیمار پڑ جائے تو اس کی والدہ کو اس کے پاس ہی رہنا چاہئے' یہاں تک کہ اگر بچہ کسی شفاخانہ میں داخل ہو تو اس صورت میں بھی اس کی والدہ کو اس کے ساتھ ہی رہنا ضروری ہے۔ تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ بچے جو اپنی بیماری کی حالت میں اپنی ماؤں کی آغوش میں رہتے ہیں بہت جلد صحت یاب ہو جاتے ہیں اور جو بچے ماں سے دور رہ کر اپنا علاج معالجہ کراتے ہیں زیادہ دیر میں صحت یاب ہوتے ہیں۔ اور بسا اوقات تو ان کی صحت یابی کا سارا عمل ہی مخدوش ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ ایک گھریلو عورت معاشرہ کے ان ننھے منے افراد کی بیماری کی صورت میں ان کے عمل صحت یابی میں زبردست طور پر معاون ثابت ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک گھریلو عورت باپ' بھائی' شوہر یا دوسرے اعزہ و اقارب کی تیمارداری کر کے ان کے عملِ صحت یابی کی رفتار کو تیز کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایک ملازم پیشہ خاتون اپنی غیر موجودگی میں خاندان کے ان افراد کی تیمارداری اور دوسری دیکھ بھال کے لئے کسی خادم یا خادمہ کا انتظام بھی کر سکتی ہے۔ مگر اس بات کو ایک معمولی سمجھ بوجھ والا شخص بھی تسلیم کرے گا کہ یہ خدام اپنے دل میں ایک

بہن، بہو، بیٹی، یا بیوی اور ماں کے سے جذبات اور احساسات کسی صورت پیدا نہیں کرسکتے، لہٰذا ان کی تیمار داری بے روح اور ان کی دیکھ بھال بے جان اور محض رسمی ہوگی اور اس طرح مریض نفسیاتی طور پر ان سے کوئی آرام و سکون حاصل نہ کرسکے گا۔ گھر کی چوکھٹ کے اندر رہ کر کام کرنے والی سگھڑ عورت معاشرہ کے ان افراد کی بحالیٔ صحت کے سلسلہ میں نمایاں اور قابلِ قدر کردار ادا کرتی ہے اور ہم اسے کسی طور پر بھی معاشرہ کا ایک ناکارہ حصہ نہیں گردان سکتے۔

کسبِ رزق شاید انسانی زندگی کا سب سے زیادہ تھکا دینے والا کام ہے۔ غالباً انسان کے بچپن کا زمانہ صرف اسی وجہ سے قابلِ رشک اور حد درجہ پسندیدہ سمجھا جاتا ہے اور بار بار یاد کیا جاتا ہے کہ انسان اس منزل میں فکرِ معاش کے چکر سے آزاد ہوتا ہے۔ مرد جب سات آٹھ گھنٹے کی مسلسل جسمانی یا ذہنی کاوش کے بعد اپنے معاشی کام کاج سے فارغ ہو کر واپس گھر لوٹتا ہے تو فطری طور پر کسی محبت کرنے والی ہستی کے انتظار، اس کی مسکراہٹ اور "خوش آمدید" کا خواہاں ہوتا ہے اور یقیناً یہی وہ جذبات اور احساسات ہوتے ہیں جو اس کی ساری معاشی جدوجہد سے پیدا ہونے والی تھکاوٹ، گرانی اور اضمحلال کو فرحت اور انبساط اور تازگی میں بدل دیتے ہیں۔ یہ بیٹی، بہن اور بیوی کی خندہ روئی، دلجوئی اور پاکیزہ محبت کا اظہار ہی ہوتا ہے جو کمانے والے باپ، بھائی اور شوہر کا ذہنی بوجھ ہلکا کر دیتے ہیں اور یہ افراد تازہ دم ہو کر اگلے روز صبح پھر اپنے اپنے کاموں پر چلے جاتے ہیں۔ یورپی ممالک میں خاندان کا شیرازہ بکھر جانے کے سبب اور عورت کی بیرونِ خانہ مصروفیات کی وجہ سے مرد اور عورت دونوں مختلف قسم کی شدید نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہیں۔ دردِ سر، دماغی ہیجان، اعصابی کوفت اور تھکاوٹ کا مسلسل احساس اور بے خوابی وغیرہ وہاں کے عام نفسیاتی امراض ہیں۔ اس کے برخلاف انصاف اور حقیقت پسندی کی نظر سے دیکھئے تو ایک پابندِ خانہ خاتون معاشرہ کو ان تمام امراض سے پاک و صاف رکھنے میں ایک نہایت ہی اہم اور قابلِ قدر خدمت سرانجام دیتی ہے۔

معاشرۂ انسانی میں آج جتنی بھی جنسی بے راہ روی اور صنفی انتشار پایا جاتا ہے اس کی اصل وجہ مرد و زن کا آزادانہ میل ملاپ ہے۔ آپ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو جس قدر

ایک دوسرے کے قریب آنے کے مواقع فراہم کریں گے' فحاشی اور بداخلاقی کا سیلاب اسی قدر تیزی اور شدت کے ساتھ بہتا چلا جائے گا۔ معاشرہ کی پردہ دار اور خانہ دار خاتون گھر کی چار دیواری کے اندر مصروف کار رہ کر اور اس طرح مرد و زن کے آزادانہ میل جول کے مواقع کو کم سے کم کر کے اپنے معاشرہ کو پاک و صاف رکھنے کی قدرتی خدمت انجام دیتی ہے۔ وہ اپنی ستر پوشی' حیا اور شرم کے باعث سوسائٹی میں عصمت' عفت اور نسوانی وقار کی قدر و قیمت باقی رکھتی ہے۔ مردوں کی نظروں کی پاکیزگی اور ان کے دلوں کی طہارت انہی خانہ دار خواتین کی مرہونِ منت ہے' ورنہ بے پردہ اور مخلوط دفاتر میں کام کاج کرنے والی خواتین تو ہمیشہ مردوں کو دعوتِ نظارہ پیش کرتی ہیں اور انہیں نوع بہ نوع گناہوں میں ملوث کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ گویا ایک خانہ دار عورت بیرون خانہ سماجی مصروفیات سے دور رہ کر اور غیر نمائشی ٹھوس جدوجہد میں مصروف رہ کر معاشرہ کو جنسی بے راہ روی اور دوسری قسم کی اخلاقی گراوٹوں سے پاک و صاف رکھتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں ایسی عورت معاشرہ کے لئے رحمت کا فرشتہ ہے اور معاشرہ اس پر جس قدر بھی فخر کرے' کم ہے۔ اس فرشتۂ رحمت کو عضوِ معطل قرار دینا اپنے فکری دیوالیہ پن کا ثبوت دینا ہے۔

جیسے ہم کسی شخص کے جسم کے ایک حصے کی "ترقی" (صحت مندی) کو اس کی "جسمانی ترقی" قرار نہیں دے سکتے ٹھیک اسی طرح معاشرۂ انسانی کی ترقی اس وقت تک صحیح معنوں میں "ترقی" کہلانے کی مستحق نہیں ہے جب تک کہ اس کے تمام گوشے مجموعی طور پر ترقی نہ کریں۔ گھر' جیسا کہ گزشتہ صفحات میں میں نے ثابت کیا ہے' معاشرہ کا اہم ترین شعبہ ہے۔ اس شعبے کی ترقی اتنی ہی ضروری اور ناگزیر ہے جتنی کہ معاشرہ کے کسی دوسرے شعبے کی۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ اس شعبہ کی ترقی معاشرہ کے باقی تمام شعبوں کی مجموعی ترقی پر حاوی ہے اور اپنی پوری طاقت و گیرائی کے ساتھ ان پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اب کون نہیں جانتا کہ معاشرہ کے اس شعبہ کی انچارج' منتظم یا نگران صرف ایک گھریلو یا پابندِ خانہ عورت ہی ہوتی ہے اور ہو سکتی ہے۔ یہی وہ عورت ہے جو معاشرہ کی مجموعی ترقی کا باعث بنتی ہے اور اس گوشے کا حسن و نکھار باقی تمام دوسرے گوشوں کو حسن اور نکھار بخشتا ہے۔ معاشرہ میں اس خاتون کی کسی مشین کے ایک ایسے پرزے کی سی اہمیت ہے جس کے علیحدہ

ہو جانے یا جگہ سے بے جگہ ہو جانے سے ساری مشین ہی بے کار اور ناکارہ بن کر رہ جاتی ہے۔

ایک خانہ دار خاتون جو ہماری آئندہ نسلوں کی پرورش و نگہداشت اور ان کی بنیادی تعلیم و تربیت کے اسباب فراہم کرتی ہے' خاندان کی شیرازہ بندی کرتی ہے اور اس طرح ریاست کے استحکام کا سبب بنتی ہے' افرادِ معاشرہ کی صحت و تندرستی قائم رکھنے میں اعانت کرتی ہے' بحالیٔ صحت کی رفتار کو تیز تر کرتی ہے' انہیں قلبی سکون اور ذہنی چین بخشتی ہے' اپنی ستر پوشی اور حیا و شرم کے ذریعے اور اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کر کے معاشرہ کو اخلاقی گندگی سے پاک رکھتی ہے۔ اور معاشرہ کو اپنی مجموعی اور حقیقی ترقی کی جانب گامزن رکھتی ہے۔ سماج کے ایسے مؤثر' فعال اور بنیادی عنصر کو معاشرہ کا "عضو معطل" قرار دینا دنیا کی سب سے بڑی احسان فراموشی' عاقبت نااندیشی اور افسوسناک حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟○○

بقیہ : عرض احوال

انتخابات کا انعقاد نظریہ پاکستان کی نفی نہیں؟ کیا کسی نظریاتی ریاست میں اس نظریہ کے منکر افراد کو دوہرا ووٹ استعمال کرنے کا حق دینے کی تاریخ میں کوئی اور مثال بھی ملتی ہے؟ یقیناً نہیں۔

اسلامی تاریخ کا ہر طالب علم یہ جانتا ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے اقلیت کے حقوق کی کس طرح نگہداشت کی ہے۔ اقلیتوں کی جان مال اور عزت و آبرو کی حفاظت اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ تاریخ میں صرف اور صرف ایک مسلمان جرنیل نے یہ مثال قائم کی تھی کہ جب اسے اپنی فوج مرکز کے حکم کے تحت ایک ایسے علاقے سے نکالنی پڑی تھی جہاں کے غیر مسلموں سے جزیہ وصول کیا جا چکا تھا تو اس نے غیر مسلموں کو اکٹھا کر کے ان کا جزیہ واپس کر دیا تھا کہ اب ہم کیونکہ آپ کی حفاظت نہیں کر سکتے لہٰذا ہم آپ کو وہ رقم واپس کر رہے ہیں جو آپ کی حفاظت کی خاطر وصول کی گئی تھی۔

اقلیت کے حقوق کی حفاظت اکثریت پر فرض ہے لیکن انہیں اکثریت پر مسلط کر دینا ظلم ہے اور اسلام نام ہے عدل کا' ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا۔ لہٰذا تنظیم اسلامی

حکومت پاکستان سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ وفاقی کابینہ کے اس فیصلے کو کہ "پاکستان میں آئندہ مخلوط طرزِ انتخاب رائج ہو گا" فوری طور پر واپس لے کیونکہ یہ طرزِ انتخاب پاکستان کے جواز ہی کو متنازع بنا دیتا ہے اور نظریہ پاکستان پر کاری ضرب لگاتا ہے۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد عرصہ ہوا یہ تجویز پیش کر چکے ہیں کہ اقلیتوں کی الگ اسمبلی بھی وجود میں آ جائے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں جس کے ذریعے وہ اپنے حقوق کے لئے آواز اٹھاتے رہیں لیکن اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قانون ساز اسمبلی صرف مسلمانوں پر مشتمل ہونی چاہئے جو شریعت محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے دائرے کے اندر قانون سازی کرے تاکہ پاکستان صحیح معنوں میں ایک آزاد اسلامی ریاست کی حیثیت اختیار کر سکے"۔

☆ ☆ ☆

امیر تنظیم اسلامی، بحمد اللہ سفر امریکہ سے واپس تشریف لا چکے ہیں۔ ماہ رمضان المبارک کے دوران نیویارک میں انگریزی زبان میں دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام کے علاوہ بعد ازاں اپنے گھٹنوں کا آپریشن کرانا بھی اس سفر میں ان کے پیش نظر تھا، لیکن بعض احباب کے مشورے سے اور پاکستان میں اپنی بعض ضروری تنظیمی و انتظامی مصروفیات کے باعث سردست آپریشن کا خیال انہوں نے چھوڑ دیا اور اپنے دورے کو مختصر کرتے ہوئے ماہ رمضان کے فوراً بعد واپسی کا سفر اختیار فرمایا۔

راقم اس سفر میں امیر محترم کے ہمرکاب تھا۔ اللہ کے فضل و کرم سے اس ماہ مبارک میں ۱۵ پاروں کی حد تک دورۂ ترجمہ قرآن کی بزبان انگریزی تکمیل ہو گئی ہے اور ساتھ ہی اس کی آڈیو ویڈیو ریکارڈنگ بھی عمدہ طریقے پر کر لی گئی ہے۔ دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام کے ساتھ وہاں نماز تراویح میں قرآن سنانے کی سعادت راقم کے حصے میں آئی۔ گزشتہ سال کے تجربے کی بنا پر اس بار آغاز ہی سے پلاننگ ۱۵ پاروں کے لئے ہی تھی۔ اللہ کی تائید و توفیق سے یہ ارادہ بحسن و خوبی پورا ہوا۔ اگر اللہ نے چاہا تو اس دورے کی قدرے تفصیلی رپورٹ آئندہ شمارے میں ہدیہ قارئین کر دی جائے گی۔ OO

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

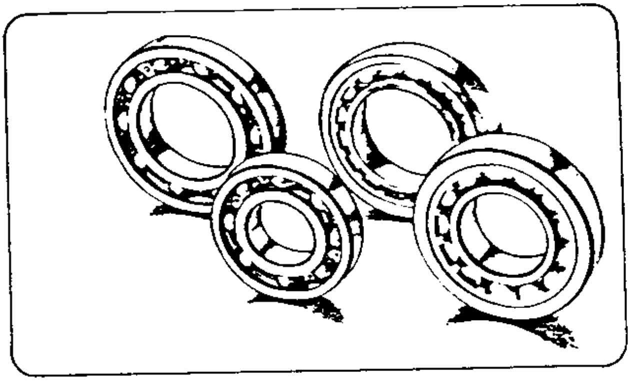

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : **(Opening Shortly)**	Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169
GUJRANWALA :	1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

REG-L-No. 7360
Vol.45 No. 3
March — 1996

Quarterly Journal of the Qur'an Academy

Patron: Dr. Israr Ahmad

The Qur'anic Horizons

Price per issue: Rs. 30/- Annual Subscription: Rs. 100/-

Markazi Anjuman Khuddam-ul-Qur'an: 36-K, Model Town, Lahore-54700